ہفت روزہ

ندائے خلافت

۲ / اگست ۱۹۹۳ء

☆ انتخابی جنگ میں ناشائستگی سیاسی قیادت کو کمزور کرے گی

☆ آٹھویں ترمیم کا کون سا حصہ امریکہ کو کھٹکتا ہے!

☆ خلافت راشدہ میں ملکی انتظامیہ کی تشکیل

۲۳ سال بعد بھی کیا ہم وہیں نہیں کھڑے؟

"موجودہ سیاست کا دین و مذہب سے قطعاً کوئی تعلق نہیں اور وقت کا جو دھارا خالص غیرمذہبی و لادینی رخ پر بہہ رہا ہے اس کی مختلف لہروں کی باہمی آویزش میں اسلام کا نام استعمال کرنا اور خاص طور پر اسے موجودہ بوسیدہ' گلے سڑے اور ظالمانہ و استحصالی نظام معیشت کا پشت پناہ بنا کر کھڑا کر دینا اسلام کی دوستی نہیں اس کے ساتھ دشمنی ہے۔ تاریخ کے رخ کا جو "ڈان" ایک خاص سمت میں بہہ رہا ہے' اس کا رخ مذہب کی جانب موڑنے کی صرف ایک راہ ہے اور وہ یہ کہ پہلے فلسفہ و فکر کے میدان میں انقلاب برپا کیا جائے اور روحانی اقدار کا از سر نو احیاء ہو۔ ایمان و یقین کی روشنی دنیا میں پھیلے اور اخلاق و اعمال میں بنیادی تبدیلیاں واقع ہوں۔ جب یہ انقلاب کسی انسانی معاشرے میں ایک معتدبہ حد تک رونما ہو چکے گا تب کہیں جاکر اس کا امکان پیدا ہو گا کہ اس کی سیاست بھی مذہب کے تابع ہو اور وہاں خدا پرستانہ نظام زندگی پوری شان کے ساتھ جلوہ آرا ہو سکے ---- ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ ہمارا موجودہ پاکستانی معاشرہ ان اعتبارات سے دین و مذہب کی روح سے بہت بعید ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کا جن کا اصل تعلق اسلام اور صرف اسلام سے ہو اور جن کی زندگیوں کا مقصود صرف اور صرف احیائے اسلام و اقامت دین ہو' موجودہ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا اپنی قوتوں' صلاحیتوں اور اوقات کو ضائع کرنا ہے"

(۱۹۷۰ء کے تاریخی عام انتخابات کی پرشور تیاریوں کے زمانے میں ماہنامہ "میثاق" لاہور میں ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک تحریر سے اقتباس)

قیمت ۵ روپے

"اس کام میں میری عیسائی برادری کو بھی شامل ہونا چاہئے"

ایک عیسائی بھائی جو تحریک خلافت کا معاون بنا ہے

حسین رضا۔ فیصل آباد

امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مورخہ ۱۳ جون ۹۳ء کو میانوالی میں منعقدہ جلسہ تحریک خلافت سے خطاب کیا تھا۔ سامعین میں ایک غیر مسلم (عیسائی) سردار مسیح صاحب بھی شامل تھے۔ موصوف نے قبلہ ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے متاثر ہوکر باقاعدہ تحریک خلافت کی رکنیت اختیار کی ہے۔ ان کا تعاون فارم مرکز کے ریکارڈ میں موجود ہوگا۔ دس روپے ماہوار کے حساب سے مالی معاونت جاری ہے۔ راقم الحروف نائب ناظم حلقہ نمبر ۲ پنجاب و علاقائی کمیٹی ۷ کے منتخب رکن محترم ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے ہمراہ مورخہ ۱۶ جولائی کو میانوالی کے تنظیمی دورہ پر گیا تو اس بات کا علم ہوا لہٰذا سردار مسیح صاحب سے خصوصی ملاقات کی۔ ان سے جو مختصر گفتگو ہوئی وہ ٹیپ سے اتار کر آپ کو برائے اشاعت بھیج رہا ہوں دیکھنے کی بات ہے کہ غیر مسلم ہوتے ہوئے بھی وہ نظام خلافت کے لئے کیا جذبات رکھتے ہیں۔ اور ایک ہم ہیں کہ اسلام کا ٹھیکہ بھی لے رکھا ہے' لیکن نظام اسلامی ہمیں گوارہ نہیں۔ ہے کوئی جو اس ضیاع کا احساس کرے!

○۔ سوال آپ کا نام کیا ہے؟

*۔ جواب میرا نام سردار مسیح ہے' پہلے میں سیالکوٹ میں رہتا تھا۔ بعد میں کچھ عرصہ کے لئے سرگودھا "چکیاں" میں رہائش کی تھی۔ اب پی اے ایف بیس میانوالی میں ملازمت کر رہا ہوں۔ تحریک خلافت کے جلسہ کا پتہ چلا تو میں بھی دیکھنے اور سننے کے لئے جلسہ گاہ پہنچ گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر سن کر مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی کیونکہ انہوں نے جو تقریر کی ہے۔ وہ تمام قوموں' مذہبوں اور فرقوں کے لئے مفید ہے۔ ہمارے ملک میں قرآن و حدیث کی اصل تعلیمات کے مطابق کام نہیں ہو رہا ہے۔ یا جو مسلمانوں کو اصول اپنانے چاہئیں تھے وہ مفقود ہیں۔ لہٰذا کوئی تو مسلمان میں سے اٹھے جو اس بات پر سوچے اور لوگوں کو سمجھے سمجھائے کہ ہمارا فرض کیا ہے۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب میں ریاکاری نہیں۔ ان کو ووٹ یا کسی سیٹ کا لالچ نہیں۔ بلکہ ڈاکٹر صاحب کا پیغام پوری دنیا کے لئے خیرخواہی پر مبنی ہے۔

○ س۔ آپ کی تعلیم کیا ہے؟

* ج۔ میں بالکل ان پڑھ ہوں' صرف انگوٹھا لگا سکتا ہوں۔

○ س۔ آپ نے اس سے پہلے بھی اور کسی عالم کی تقریر سنی ہے؟

* ج۔ میں نے کافی عالموں کو سنا ہے لیکن کوئی اثر نہیں ہوا' کیونکہ اکثر اپنے فرقے اور مفاد کی بات کرتے ہیں۔ اسلام کو بطور نظام حیات پیش کرتے میں نے کسی کو نہیں سنا۔ یا پھر آجا کے ووٹ کی لڑائی تقریروں میں شروع ہوجاتی ہے۔ بہرحال خداتعالیٰ نے مجھے اس قدر توفیق دے رکھی ہے کہ میں تقریر کرنے والے کا اصل مقصد بھانپ لیتا ہوں۔

○ س۔ آپ اپنی خوشی سے تحریک میں شامل ہوئے ہیں؟

* ج۔ جی ہاں میں خوشی سے اپنے فیصلہ کے مطابق اس تنظیم میں شریک ہوا ہوں' کسی نے مجھ پر جبر نہیں کیا بلکہ عام سامعین میں بیٹھ کر میں نے ڈاکٹر صاحب کو سنا' غور و فکر کیا پھر دل نے گواہی دی کہ واقعی ڈاکٹر صاحب کی بات درست ہے' لہٰذا میں نے تسلیم کرلی۔

○ س۔ آپ اپنی قوم یعنی عیسائی برادری کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

* ج۔ میں اپنی برادری کو اب بھی پیغام دیتا ہوں اور آئندہ بھی دیتا رہوں گا کہ جہاں کہیں بھی ڈاکٹر صاحب خود یا ان کا کوئی نمائندہ جلسہ کرے' عیسائی برادری کو بھی شامل ہونا چاہئے اور ان کو حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کے حوالے سے بھی بتایا جائے کیونکہ جب تک آپ ان کے مذہب کی زبان میں بات نہیں کریں گے' تو وہ کیسے آپ کی بات سمجھ سکتے ہیں۔ عمل کی باری سمجھنے کے بعد آتی ہے۔ ہوسکتا ہے میری طرح اور کتنے ہی لوگ ہوں جو آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوجائیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اسی میں ان کی اور آئندہ آنے والی نسل کی بھلائی ہے۔

○ س۔ آپ کے تحریک خلافت کا معاون بننے پر آپ کے اہل خانہ کا ردعمل کیا ہے؟

* ج۔ کوئی خاص نہیں۔ بیوی میری نہیں ہے' دو لڑکے ہیں' دونوں شادی شدہ ہیں اور ملازم ہیں۔ جگہ میں نے اپنی خرید کی ہوئی ہے اور بھینسیں پال رکھی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ شاید اب میری موت یہیں پر واقع ہوگی۔

○ س۔ کوئی مخالفت نہیں ہوئی؟

* ج۔ ہوئی لیکن میں کہتا ہوں کہ مخالفت برائے مخالفت اچھی بات نہیں۔ اس سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

○ س۔ اب آپ کا اپنی کمیونٹی میں کیا کام کرنے کا ارادہ ہے؟

* ج۔ کوشش کروں گا کہ یہ آواز دوسروں تک بھی پہنچے۔ آگے ہر ایک کی اپنی مرضی ہے۔

○ س۔ آپ تحریک خلافت کے پروگرام سے مطمئن ہیں؟

* ج۔ بالکل مطمئن ہوں۔ ● ●

ڈاکٹر اسرار احمد
کی تالیف
استحکام پاکستان
اشاعت خاص ۔/۵۰ روپے
اشاعت عام ۔/۳۵ روپے
دینی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا براہ راست درج ذیل پتہ پر لکھیں
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن
فون: ۸۵۶۰۰۳

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۲ شمارہ ۳۰
۲ اگست ۱۹۹۳ء

13

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقام اشاعت
۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۸ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۲ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۱۶ " "

چوں می گویم مسلمانم بلرزم

روزنامہ جنگ لاہور (۲۵ر جولائی) کے مطابق سابق وزیراعظم نواز شریف صاحب گذشتہ روز جب رائے ونڈ کے تبلیغی مرکز پہنچے تو انہوں نے یہاں موجود آئی ایس آئی کے سابق سربراہ ریٹائرڈ جنرل جاوید ناصر سے علیحدگی میں کافی دیر تک بات چیت کی جس میں موجودہ صورت حال زیر بحث رہی۔ اس کے بعد نواز شریف نے تبلیغی مرکز کے قائم مقام امیر مولانا جمشید سے ملاقات کی جنہوں نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ نواز شریف کو اسلامی تعلیمات پر لیکچر دیا۔ نواز شریف نے جب مولانا جمشید سے یہ سوال کیا کہ مولانا صاحب! ہمیں بتایئے اسلامی طرز حکومت کیا ہے تو انہوں نے اس سوال پر جواب دیا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، کلمہ پر عمل کرو بس اسلام ہے"

ہم سوچا کئے اور کچھ نہ سمجھ پائے کہ اسلام کے طرز حکومت کی بحث کے دریا کو محترم مولانا نے اتنی آسانی سے ایک جملے کے کوزے میں بند کر دیا تو ڈیڑھ گھنٹہ تک وہ نواز شریف کو کن اسلامی تعلیمات پر کیا لیکچر دیتے رہے تھے! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک سادہ لوح بدو مومن کو ——— جس کی سادگی پر سوز و ساز رومی اور پیچ و تاب رازی قربان ہو ——— اس کے فکرمندانہ استفسار کے جواب میں کہ حضورؐ میں اپنی عاقبت کی ضمانت حاصل کرنے کے لئے کیا کروں، نہایت مختصر جواب دیتے ہوئے یہ تو فرمایا تھا کہ "کہہ کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ڈٹ جا" لیکن اسلام کے طرز حکومت کی تعلیم اور عملی مظاہرے میں پہلے خود آپؐ نے دس سال مشقت مول لی اور پھر یہ کام اپنے تربیت یافتہ ساتھیوں کے سپرد فرمایا جن کی تعلیم کتاب و حکمت کا حق آپؐ ادا کر چکے تھے کہ رہتی دنیا تک کے لئے مثالیں قائم کر دیں، تاریخ کے صفحات میں روشنی کے ایک ایسے مینار کے خدوخال محفوظ کر دیں جس سے رہنمائی کے کسی خواہشمند کو کبھی مایوسی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ خلافت راشدہ اسلامی طرز حکومت ہی کا تو ایک "ماڈل" تھا جس میں اتنی لچک رکھ دی گئی تھی کہ تمدن اور علوم و فنون کے ارتقاء کا ساتھ بھی دے سکے۔

نواز شریف صاحب کے افرادی اسلام کے لئے تو مولانا کا یہ فرمانا بجا ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور کلمہ پر عمل کرو لیکن کیا کلمے میں پوشیدہ قیامت کا بھی انہوں نے کوئی اندازہ دیا۔ علامہ اقبال فرما گئے ہیں کہ جب یہ کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو لرز اٹھتا ہوں کیونکہ کلمے کی دشواریوں سے آگاہ ہوں۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلات لا الہ را

اے زعیم قوم! نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر آپ اللہ کے فضل سے عمل کر ہی رہے ہیں، ترک کسی چیز کا متوقع نہیں البتہ کوئی کمی ہے تو ان شاء اللہ آپ آسانی سے پوری کر لیں گے تاہم اندیشہ ہے (اور بدقسمتی سے اس کے شواہد بھی ملتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کو الٰہ ماننے اور ماسوا کی نفی یعنی صرف اللہ کی اطاعت کرنے اور اس کے سوا نفس امارہ سمیت ہر کسی کا حکم اس کے منہ پر دے مارنے کی روش کے معاملے میں پانی کہیں ضرور مرتا ہے۔ ہمیں کوئی فتویٰ جاری کرنے کا شوق نہیں، آپ کا اپنا مفتی نہاں خانہ دل میں بیٹھا ہوا ہے، اسی سے پوچھئے کہ کلمے پر آپ کا "عمل" اسلام کی میزان پر بھی پورا اترتا ہے یا نہیں۔ ویسے ایک منزل اس سے اگلی بھی ہے، ایمان کی ——— اور ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں، آپ احسان تک رسائی کیوں نہیں حاصل کرتے!

رہا سوال اسلامی طرز حکومت کا تو رائے ونڈ کے مولانا ہم جیسے عامیوں کو یہ جواب دیں جو تخت حکومت کو رونق بخشنے کا کبھی خواب نہیں دیکھ سکتے تو خیر ہے البتہ نواز شریف صاحب کے لئے اسلامی طرز حکومت کی وضاحت اس انداز میں کر کے انہوں نے حق نصیحت کی ادائیگی میں بہت بڑی کوتاہی کی ہے۔ نواز شریف صاحب ایک عرصہ پنجاب کے بااختیار حاکم رہے، بطور وزیراعظم پاکستان وہ سیاہ و سفید کے مالک تھے اور اگرچہ صدر کے صوابدیدی اختیار نے آخر میں کھیر کو دلیہ کر دیا، تاہم لگ بھگ تین سال تک وہ اس حیثیت میں تھے کہ اسلام کی طرف قابل ذکر پیش قدمی کر سکتے تھے۔ اب پھر وہ وزارت عظمیٰ کے امیدوار ہیں اور اپنے ووٹروں سے انہوں نے وہ اکثریت طلب کی ہے کہ نظام حکومت میں وہ جو چاہیں، تبدیلی کر سکیں۔ انہیں بتایا جانا چاہئے تھا کہ اسلام اور نفاذ شریعت کے سلسلے میں اب تک ان کے پیش رو جنرل ضیاء الحق مرحوم اور خود انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہے اس کی حیثیت بالکل سطحی اور غیر موثر ہے بلکہ کئی اعتبارات سے تو نام نہاد اسلامائزیشن نے نوجوان نسل میں اپنے دین سے مایوسی بھی پیدا کی ہے۔ اسلام کے طرز حکومت کی روح مشاورت اور احساس جواب دہی میں ہے اور اس کا نتیجہ کامل مساوات انسانی اور اعلیٰ ترین عدل اجتماعی کی شکل میں نکلتا ہے۔ رائے ونڈ کے مولانا ان موٹے موٹے اصولوں کی بڑی ہی دلنشیں تشریح بصورت وعظ کر سکتے تھے جو شاید انہوں نے یہ سمجھ کر نہیں کیا کہ یہ سیاسی باتیں ہیں اور ہم دین داروں کو سیاست کے بکھیڑوں سے کیا کام!

ویسے خدا لگتی بات یہ ہے کہ اسلام کے طرز حکومت سے نواز شریف صاحب بھی کچھ کم واقف نہیں۔ وہ اتنے پر تو عمل کر دکھائیں جتنا انہیں معلوم ہے، باقی کی بات بتانے والوں کیا کمی ہے!۔ "سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے"۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۲ شمارہ ۳۰
۲ اگست ۱۹۹۳ء

13

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

○

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

○

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

○

زرتعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۸ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۲ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۱۶ " "

چوں می گویم مسلمانم بلرزم

روزنامہ جنگ لاہور (۲۵ر جولائی) کے مطابق سابق وزیراعظم نواز شریف صاحب گذشتہ روز جب رائے ونڈ کے تبلیغی مرکز پہنچے تو انہوں نے یہاں موجود آئی ایس آئی کے سابق سربراہ ریٹائرڈ جنرل جاوید ناصر سے علیحدگی میں کافی دیر تک بات چیت کی جس میں موجودہ صورت حال زیر بحث رہی۔ اس کے بعد نواز شریف نے تبلیغی مرکز کے قائم مقام امیر مولانا جمشید سے ملاقات کی جنہوں نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ نواز شریف کو اسلامی تعلیمات پر لیکچر دیا۔ نواز شریف نے جب مولانا جمشید سے یہ سوال کیا کہ مولانا صاحب! ہمیں بتایئے اسلامی طرزِ حکومت کیا ہے تو انہوں نے اس سوال پر جواب دیا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، کلمہ پر عمل کرو، بس اسلام ہے"

ہم سوچ کے اور کچھ نہ سمجھ پائے کہ اسلام کے طرزِ حکومت کی بحث کے دریا کو محترم مولانا نے اتنی آسانی سے ایک جملے کے کوزے میں بند کر دیا تو ڈیڑھ گھنٹہ تک وہ نواز شریف کو کن اسلامی تعلیمات پر کیا لیکچر دیتے رہے تھے! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک سادہ لوح بدو مومن کو ——— جس کی سادگی پر سوز و سازِ رومی اور پیچ و تابِ رازی قربان ہو ——— اس کے فکرمندانہ استفسار کے جواب میں کہ حضورؐ! میں اپنی عاقبت کی ضمانت حاصل کرنے کے لئے کیا کروں، نہایت مختصر جواب دیتے ہوئے یہ تو فرمایا تھا کہ "کہہ کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ڈٹ جا" لیکن اسلام کے طرزِ حکومت کی تعلیم اور عملی مظاہرے میں پہلے خود آپؐ نے دس سال مشقت مول لی اور پھر یہ کام اپنے تربیت یافتہ ساتھیوں کے سپرد فرمایا جن کی تعلیم کتاب و حکمت کا حق آپؐ ادا کر چکے تھے کہ رہتی دنیا تک کے لئے مثالیں قائم کر دیں، تاریخ کے صفحات میں روشنی کے ایک ایسے مینار کے خدوخال محفوظ کر دیں جس سے رہنمائی کے کسی خواہشمند کو کبھی مایوسی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ خلافت راشدہ اسلامی طرزِ حکومت ہی کا تو ایک "ماڈل" تھا جس میں اتنی لچک رکھ دی گئی تھی کہ تمدن اور علوم و فنون کے ارتقاء کا ساتھ بھی دے سکے۔

نواز شریف صاحب کے افرادی اسلام کے لئے تو مولانا کا یہ فرمانا بجا ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور کلمہ پر عمل کرو لیکن کیا کلمے میں پوشیدہ قیامت کا بھی انہوں نے کوئی اندازہ دیا۔ علامہ اقبال فرما گئے ہیں کہ جب یہ کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو لرز اٹھتا ہوں کیونکہ کلمے کی دشواریوں سے آگاہ ہوں۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلات لا الہ را

اے زعیم قوم! نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر آپ اللہ کے فضل سے عمل کر ہی رہے ہیں، ترک کسی چیز کا متوقع نہیں البتہ کوئی کمی ہے تو ان شاء اللہ آپ آسانی سے پوری کر لیں گے تاہم اندیشہ ہے (اور بدقسمتی سے اس کے شواہد بھی ملتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کو الٰہ ماننے اور ماسوا کی نفی یعنی صرف اللہ کی اطاعت کرنے اور اس کے سوا نفس امارہ سمیت ہر کسی کا حکم اس کے منہ پر دے مارنے کی روش کے معاملے میں پانی کہیں ضرور مرتا ہے۔ ہمیں کوئی فتویٰ جاری کرنے کا شوق نہیں، آپ کا اپنا مفتی نہاں خانہ دل میں بیٹھا ہوا ہے، اسی سے پوچھئے کہ کلمے پر آپ کا "عمل" اسلام کی میزان پر بھی پورا اترتا ہے یا نہیں۔ ویسے ایک منزل اس سے اگلی بھی ہے، ایمان کی ——— اور ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں، آپ احسان تک رسائی کیوں نہیں حاصل کرتے!

رہا سوال اسلامی طرزِ حکومت کا تو رائے ونڈ کے مولانا ہم جیسے عامیوں کو یہ جواب دیں جو تختِ حکومت کو رونقِ بخشنے کا کبھی خواب نہیں دیکھ سکتے تو خیر ہے البتہ نواز شریف صاحب کے لئے اسلامی طرزِ حکومت کی وضاحت اس انداز میں کر کے انہوں نے حقِ نصیحت کی ادائیگی میں بہت بڑی کوتاہی کی ہے۔ نواز شریف صاحب ایک عرصہ پنجاب کے بااختیار حاکم رہے، بطور وزیراعظم پاکستان وہ سیاہ و سفید کے مالک تھے اور اگرچہ صدر کے صوابدیدی اختیار نے آخر میں کھیر کو دلیہ کر دیا، تاہم لگ بھگ تین سال تک وہ اس حیثیت میں تھے کہ اسلام کی طرف قابل ذکر پیش قدمی کر سکتے تھے۔ اب پھر وہ وزارتِ عظمیٰ کے امیدوار ہیں اور اپنے ووٹروں سے انہوں نے وہ اکثریت طلب کی ہے کہ نظامِ حکومت میں وہ جو چاہیں، تبدیلی کر سکیں۔ انہیں بتایا جانا چاہئے تھا کہ اسلام اور نفاذِ شریعت کے سلسلے میں اب تک ان کے پیش رو جنرل ضیاء الحق مرحوم اور خود انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہے اس کی حیثیت بالکل سطحی اور غیر موثر ہے بلکہ کئی اعتبارات سے تو نام نہاد اسلامائزیشن نے نوجوان نسل میں اپنے دین سے مایوسی بھی پیدا کی ہے۔ اسلام کے طرزِ حکومت کی روح مشاورت اور احساسِ جواب دہی میں ہے اور اس کا نتیجہ کامل مساواتِ انسانی اور اعلیٰ ترین عدلِ اجتماعی کی شکل میں نکلتا ہے۔ رائے ونڈ کے مولانا ان موٹے موٹے اصولوں کی بڑی ہی دلنشیں تشریح بصورتِ وعظ کر سکتے تھے جو شاید انہوں نے یہ سمجھ کر نہیں کیا کہ یہ سیاسی باتیں ہیں اور ہم دین داروں کو سیاست کے بکھیڑوں سے کیا کام!

ویسے خدا لگتی بات یہ ہے کہ اسلام کے طرزِ حکومت سے نواز شریف صاحب بھی کچھ کم واقف نہیں۔ وہ اتنے پر تو عمل کر دکھائیں جتنا انہیں معلوم ہے، باقی کی بات بتانے والوں کیا کمی ہے!۔ "سفر ہے شرط، مسافر نواز بتیرے"۔

الہدیٰ

سورۃ البقرہ (آیات ۱۶۳-۱۶۴)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' بڑا مہربان ہے' نہایت رحم والا ○

(کہ تم سب کا معبود حقیقی بس ایک ہی ہے' کون و مکان میں کوئی دوسری ہستی ایسی موجود نہیں ہے جو لائق عبادت ہو اور جسے اختیار و اقتدار میں اللہ کا شریک قرار دیا جاسکے۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے' نہ حاکم ہے' نہ مختار! پوری کائنات میں اسی کا سکہ رواں ہے اور اسی کا حکم جاری و ساری ہے۔ ۔ "وہی ذات واحد عبادت کے لائق۔ زبان اور دل کی شہادت کے لائق!" ..... اسکی قدرت کی نشانیاں کائنات میں ہر چہار طرف پھیلی ہوئی ہیں جن میں بعض کا قدرے تفصیلی ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے' اور اسکی تمام صفات میں نمایاں ترین صفت' رحمت ہے چنانچہ وہ رحمان بھی ہے اور رحیم بھی' اور اس کا دامن رحمت ہر اس شخص کے لئے کشادہ ہے جو اس کی طرف رجوع کرے اور جس کی جبین نیاز صرف اسی کے سامنے جھکتی ہو!)

بے شک آسمانوں اور زمین کی خلقت میں' اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں' اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے لئے سمندر میں نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ نے بلندی سے اتارا پھر جس کے ذریعے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جاندار' اور ہواؤں کی گردش میں' اور ان بادلوں جو آسمان اور زمین کے درمیان مامور ہیں' نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں ○

کہ اگرچہ ہمارے اعتبار سے اللہ غیب میں ہے' اس دنیا میں رہتے ہوئے ہمارے حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے لیکن اس کے وجود کی نشانیاں مظاہر فطرت میں جابجا پھیلی ہوئی ہیں۔ بلکہ زمین و آسمان کی ہر ہر شے زبان حال سے اللہ کے وجود اور اوصاف کمال کا پتہ دیتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ تخلیق کائنات کا معاملہ ہو یا دن اور رات کے متغیر کن نظام کا' بھاری سامان تجارت لے کر سمندر کے پانی کو چیرتی ہوئی کشتیوں کا معاملہ ہو یا اس باران رحمت کا جس کا نزول بنجر زمین کے لئے حیات کا پیغام ثابت ہوتا ہے' اور زمین کی سطح پر پھیلے ہوئے انواع و اقسام کے جانداروں کا ذکر ہو یا ہواؤں کی گردش اور اس میں بادلوں کی آمد و شد کا' فطرت کے ان تمام مظاہر میں سوچنے سمجھنے والے لوگوں کے لئے اللہ کے وجود اور اسکی اعلیٰ صفات کی بڑی عظیم نشانیاں موجود ہیں۔ ۔ ردائے لالہ و گل پردہ ماہ و انجم - جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہے!)

انتخابی جنگ میں ناشائستگی سیاسی قیادت کو کمزور کرے گی

پاکستان کو غیر مستحکم رکھنے کی سازش سے خبردار

نواز شریف اور بے نظیر آپس میں تعاون کی گنجائش رکھیں

عبدالکریم عابد

یہ ایک سال پہلے کا تجزیہ ہے جو "ندائے خلافت" کی اشاعت ۲۷ جولائی ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔ اس کا عنوان تھا "ایوان صدر کی سازشوں پر ایک نظر" اور ذیلی سرخیاں یوں تھیں کہ "صدر اسحاق کو رخصت ہو جانا چاہئے" اور "غیر جانبدارانہ انتخابات کے لئے غیر جانبدار شخصیت کی بھی ضرورت ہے" میری اسی تحریر کی ابتداء میں ایک سوال یہ اٹھایا گیا تھا کہ "کیا صدر کو ہٹانے کے لئے مارشل لاء کے سوا بھی کوئی چارہ کار ہے؟ اور یہ کہ اگر دباؤ ڈال کر انہیں مستعفی کرالیا جاتا ہے اور علاج کے لئے باہر بھیج دیا جاتا ہے تو کیا سینٹ کے چیئرمین اس ذمہ داری کو سنبھال سکیں گے؟"

ایک سال پہلے کے اس سوال کا اب جواب بالآخر مل گیا ہے اور نہ صرف صدر اسحاق بلکہ نواز شریف بھی رخصت ہو گئے ہیں۔ لیکن نواز شریف وزارت عظمیٰ سے گئے ہیں' میدان سیاست سے نہیں گئے اور ان کے لئے اس میدان میں فتح کے جھنڈے گاڑنے کی گنجائش موجود ہے۔ اس سے پہلے بے نظیر کے ساتھ معرکوں میں جو فتح انہوں نے حاصل کی تھی وہ ان کی اپنی فتح نہیں تھی بلکہ اسٹا بلشمنٹ کی جیت تھی جس نے کامل ایک عشرے تک بے نظیر کے خلاف ایکا کئے رکھا اور جب اسے بدرجہ مجبوری اقتدار پر لایا گیا تو اقتدار کا بہت تھوڑا حصہ انہیں دیا گیا اور اقتدار کا زیادہ حصہ اسٹا بلشمنٹ نے اپنے پاس رکھا۔

وہ تھوڑا اقتدار تھا لیکن پھر بھی کچھ بے نظیر صاحبہ سے ہضم نہیں ہوا کچھ اسٹا بلشمنٹ کو گوارا نہیں ہوا اس لئے ایوان صدر میں سازش ہوئی اور انہیں نکال باہر کیا گیا۔ جناب نواز شریف کی وزارت عظمیٰ پر تشریف آوری بھی اسی سازش کا شاخسانہ تھی۔ بے نظیر کی برطرفی کے بعد بے نظیر کے خلاف انتخابی سیل کے افسران کے جوڑتوڑ کا مرکز ایوان صدر ہی تھا۔ وہیں سے فوج اور سول کی خفیہ ایجنسیوں کے ذریعہ اسلامی جمہوری اتحاد قائم کرایا گیا اور چلایا گیا۔ اگر یہ ایجنسیوں کا اتحاد نہ ہوتا تو نہ بے نظیر صاحبہ کا راستہ روکا جاسکتا تھا نہ نواز شریف کے لئے وزارت عظمیٰ قابل حصول ہو سکتی تھی۔

مگر اب نواز شریف اور بے نظیر میدان سیاست میں اپنی قوت کی بناء پر ہیں۔ بے نظیر نے بابا کا سارا لینا چاہا تھا لیکن وہ نہیں رہے جبکہ نواز شریف مرکز اور صوبوں میں حکمران رہ کر الیکشن کرانا چاہتے تھے' ان کی یہ مراد بر نہیں آئی۔ پتہ چلے گا کہ نواز شریف کتنے پانی میں ہیں اور بے نظیر نے اپنی سیاست کے ذریعہ کچھ حاصل کیا ہے یا گنوایا ہے۔ ہمیں نہ بے نظیر سے دشمنی ہے نہ نواز شریف سے عقیدت اور سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو دونوں ملک کی ضرورت ہیں اور جمہوری کاروبار کو چلانے کے لئے ان کا دم غنیمت ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ دونوں شخصیات سیاست کے باطنی اسرار و رموز سے اب آگاہ ہو چکی ہیں اور قومی سیاست کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے ہے اس لئے وہ اب پہلے کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بالغ نظری کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ بھارت میں تو اب کوئی ایسا قائد نہیں رہا جس کے پیچھے عوام ہوں' بے چارے نرسیما راؤ صوبائی سطح کے بھی مسلمہ لیڈر نہیں تھے مگر چونکہ ملک میں کوئی لیڈر دستیاب نہیں تھا اس لئے ان کے سر پر تاج رکھ دیا گیا مگر ان کا تاج اور تخت مسلسل لرز رہا ہے۔ بی جے پی کے پاس ہندو تعصب کا طوفان ہے' کوئی صوبہ گیر یا ملک گیر شخصیت نہیں۔ ایڈوانی اور جوشی انجی ٹیشن کر سکتے ہیں' فساد برپا کر سکتے ہیں' ملک نہیں چلا سکتے مگر پاکستان کے پاس الحمد للہ بے نظیر اور نواز شریف دو ایسے لیڈر موجود ہیں جن کے پیچھے لوگ ہیں' کسی کے پاس زیادہ اور کسی کے پاس کم' یہ الیکشن کے نتائج بتا دیں گے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دونوں رہنماؤں کے پیچھے ایک خلقت ہے۔

پھر یہ لیڈر صرف اپنا ذاتی اظہار نہیں ہیں' ان کے پس پشت ملک کے مؤثر طبقات ہیں۔ نواز شریف کاروباری طبقات کی ترجمانی کرتے ہیں' شہری عوام کی آواز بن رہے ہیں' ملک کی پرانی بیوروکریسی سے نجات کے خواہشمند عناصر کے جذبات کی علامت ہیں اور اس نئے پنجاب کی

نمائندگی کر رہے ہیں جو اب اپنا نمائندہ سول و فوجی بیوروکریسی کی بجائے سیاست کے خمیر سے اٹھانا چاہتا ہے۔ انہوں نے صحیح یا غلط مگر قوم کو قومی سرمایہ دار اور ملٹی نیشنل کے تعاون سے ایک نئی اقتصادی صبح کی امید دلائی ہے۔ ان کے سر پر سعودی عرب کا دست شفقت بھی ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ کے تبصرے بھی ظاہر کر رہے ہیں کہ مغربی میڈیا میں نواز شریف نے بے نظیر سے زیادہ نہیں تو ان کے برابر جگہ ضرور پالی ہے۔

دوسری طرف بے نظیر آج بھی بھٹو پسند عوام کو اپنے حلو میں رکھتی ہیں۔ سندھ میں انہیں ایک مظلوم ہی کی نہیں' ایسی رہنما کی حیثیت حاصل ہے جو سندھی مفادات کی دائرہ اعتدال میں رہ کر نمائندگی کر سکتی ہیں اور ان مفادات کو پنجاب سے منوا بھی سکتی ہیں۔ وہ ہمارے لبرل طبقہ کی بھی پسند یا ترجیح ہیں۔ انہیں نیشنلائزڈ اداروں کے افسروں اور مزدوروں دونوں کی ہمدردی حاصل ہے۔ پرانے خیال کی بیوروکریسی سمجھتی ہے کہ ملکی سرمایہ دار اور ملٹی نیشنل کی یلغار اور لوٹ مار کو روکنے کے لئے بے نظیر کا وجود قیمتی ہے۔ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ امریکہ اور یورپ کے آزاد خیال حلقوں کی انہیں تائید حاصل ہے' وہ امریکہ سے پاکستان کے مفادات کے مطابق معاملہ کر سکتی ہیں اور بھارت سے بھی نپٹ سکتی ہیں۔ غرض یہ کہ دونوں رہنماؤں کی ایک شخصیت ہے۔

ویسے تو اپنی اپنی جگہ ان دونوں میں بہت سے نقائص تلاش کئے جاسکتے ہیں' بہت سے الزامات ان پر عائد ہوتے ہیں مگر اس قحط الرجال کے دور میں ان کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور خدا نہ کرے کہ جو قیادت میسر ہے وہ اگرچہ بلند پایہ نہیں ہے پھر بھی ہم اس سے بھی محروم ہو کر بالکل بے مایہ ہو جائیں۔ ایسا ہوگا تو سیاسی خلا خطرناک ہوگا اس لئے اس خلا کی بجائے نواز شریف اور بے نظیر یہاں موجود ہیں تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ لیکن اگر وہ اپنے پرانے طور طریقوں سے باز نہ آئے تو ان دونوں شخصیات کا کردار منفی بھی ہو سکتا ہے۔

سب سے پہلے تو پوری قوم کی جانب سے ہمارے قائم مقام صدر اور نگران وزیراعظم دونوں کو ان حضرات سے گزارش کرنی چاہئے کہ وہ اپنی انتخابی مہم کو شائستہ رکھیں' اس کے ذریعے ملک میں محاذ آرائی کا مزید بارود نہ بچھائیں جو سلگ کر ملک کو بھک سے اڑا دے اور مخالفت کی نوعیت سیاسی رکھیں' شخصی عناد یا گروہی دشمنی نہ بھڑکائیں تاکہ انتخابات کے بعد ان کے درمیان تعاون یا پرامن بقائے باہمی کی گنجائش رہے۔

اگر انتخابات مرنے مارنے کے جذبات کے تحت لڑے گئے اور ملک کو مزید پراگندگی و کشیدگی کی حالت میں ڈال دیا گیا تو جمہوریت کی مشق بے کار جائے گی۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ مغربی قوتوں نے پہلے عالم اسلام میں آمریتوں کو پالا پوسا' ان کے ذریعہ ہمارے سیاسی ارتقاء کو روکے رکھا اور سیاسی ادارے نہیں بننے دیئے لیکن اب وہ چاہتے ہیں کہ آمریت کے بعد ایسی جمہوریت ان ملکوں میں آئے جو سیاست' معیشت و معاشرت ہر میدان میں شورش برپا کرے اور عدم استحکام پر مبنی ہو تاکہ جمہوریت کے عنوان سے تضادات کے ٹکراؤ کے نئے نئے طوفان برپا ہوں۔ اس "سازشی جمہوریت" سے بچنے کے لئے ہمارے لیڈروں کو اصلی جمہوریت کے مطابق رنگ ڈھنگ اختیار کرنے ہوں گے اور اصلی جمہوریت کا رنگ مفاہمت کا رنگ ہے' افہام و تفہیم کا ڈھنگ ہے' ایک دوسرے کو تسلیم کرنے کا طریقہ ہے اور لڑائی میں بھی حدود برقرار رکھنے کا سلیقہ ہے۔

اگر نواز شریف اور بے نظیر اپنی انتخابی مہم کو شائستہ اور مثبت رکھیں' اپنے نظریات بیان کریں اور اپنے لائحہ عمل کو قوم کے سامنے لائیں تو اس سے قومی شعور پروان چڑھے گا اور جمہوریت کے لئے عوامی شعور کی بنیاد حاصل ہوگی ورنہ اگر انہوں نے عوام کو محاذ آرائی کے جہنم میں دھکیلا تو ایک شیطانی جمہوریت نمودار ہوگی جو سب کچھ بھسم کر کے رکھ دے گی۔

ویسے اگر نواز شریف اور بے نظیر نے ایک دوسرے کے خلاف اوچھے اور گھٹیا پروپیگنڈہ کا سہارا لیا تو اس سے انہیں ممکن ہے کچھ ووٹ زیادہ مل جائیں لیکن اس طرح ان کی ابھرتی قیادت کو مستقل ابھار حاصل نہیں ہوگا اور وہ طاقتور لیڈر بننے کی بجائے آپس کی بے ہودہ لڑائی سے کمزور ہو جائیں گے اور یہ سیاست کے لئے' جمہوریت کے لئے' ملک کے لئے برا ہوگا۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو کمزور کرنے کا راستہ نہ اختیار کریں اور اپنی قیادت کو مثبت اور صحت مند اساس پر قائم کرنے کی فکر کریں جس کے لئے پہلی ضرورت یہ ہے کہ وہ منافقت کو خیرباد کہیں جو ان کی عادت ہوگئی ہے اور جس کو یہ سیاست سمجھتے ہیں۔ اس منافقت سے نجات حاصل کر کے دونوں لیڈر اپنے نظریات کا صحیح صحیح تعین کریں' دل کی بات بے دھڑک زبان پر لائیں اور وہ باتیں نہ کہیں جو کرنا نہیں چاہتے یا کر نہیں سکتے۔ صاف دلی اور صاف گوئی سے ان کی قیادت کمزور نہیں ہوگی' مضبوط ہوگی اور لوگوں کو بھی جھوٹ کے سحر اور اثر سے نکلنے میں مدد ملے گی۔

وہ جھوٹ جو سیاست اور معیشت پر ہی نہیں' مذہب کے عنوان سے بھی ذہنوں پر چھا گیا ہے' اس جھوٹ کی فضا میں سانس لینا اب اس ملک کے لئے خطرناک ہے۔ حقائق کو بے کم و کاست بیان کرنے کا حوصلہ ان رہنماؤں میں ہوگا تو ایک حقیقت پسندانہ ماحول بنے گا اور اس میں ان کی سیاست بھی کامیاب ہو سکے گی ورنہ چند قدم چل کر اس کا پول کھل جائے گا اور رہنماؤں کے ساتھ ملک بھی ڈوب سکتا ہے اس لئے ان دونوں ابھرتے ہوئے رہنماؤں سے سب کو یہ کہنا چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو ڈوبتا سمجھ کر تنکوں کا سہارا نہ تلاش کریں' اپنے آپ پر اعتماد رکھیں اور پورے اعتماد سے سیاست کریں اور اس سیاست میں یہ خیال رکھیں کہ ملکی امور کو اب فوج چلا سکتی ہے نہ بیوروکریسی۔ اس کے لئے سیاسی قیادت ناگزیر ہوگئی ہے اور اس کے لئے ان رہنماؤں کو حقیقی معنوں میں سیاسی بننا چاہئے۔ ●●

کوپن برائے سالانہ / ششماہی / سہ ماہی خریداری

میں ہفت روزہ "ندائے خلافت" کا سالانہ / ششماہی / سہ ماہی خریدار بننا چاہتا ہوں / چاہتی ہوں ۔ براہ مہربانی درج ذیل پتہ پر پرچہ جاری کر دیجئے۔ زر تعاون کی رقم مبلغ -------- روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال خدمت ہے۔

نام .....

پتہ .....

نوٹ: (رقم ہفت روزہ "ندائے خلافت" ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور کے پتہ پر ارسال کی جائے)

ردعمل کے طور پر پاکستانی پنجاب میں بھی فسادات ہوئے

دسویں قسط

قیام پاکستان: ایک نئی سحر کا طلوع

رمضان کے مقدس مہینے کی ایک مبارک رات ایک آواز ابھری "یہ ریڈیو پاکستان ہے"

مرزا ایوب بیگ

اپریل ۴۷ء ہی کے وسط میں صوبہ سرحد میں فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوگئے جن میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ بہت سے ہندو اور سکھ فسادات میں مارے گئے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے صوبہ سرحد کا تین دن کا تفصیلی دورہ کیا' مسلم لیگی اور کانگرسی رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور اس تاثر کے ساتھ دہلی واپس آیا کہ صوبہ سرحد میں کانگرس کا سیاسی جنازہ نکل چکا ہے اور خود اسے برصغیر کی معقول تقسیم ناگزیر محسوس ہونے لگی۔ اس کے باوجود اس نے قائداعظم کو یہ دھمکی دی کہ اگر سرحد کے مسلمان تشدد سے باز نہ آئے تو وہ سرحد میں فوج کو بھیج دے گا اور فضائیہ کو بھی حرکت میں لے آئے گا۔ جناح نے سرحد میں ڈاکٹر خاں صاحب کی وزارت ختم کرکے نئے انتخابات کرانے کو کہا تو وائسرائے نے اس مطالبہ کو سختی سے رد کردیا اور کہا کہ میں زیادہ سے زیادہ سرحد میں یہ جاننے کے لئے انتخابات کرواسکتا ہوں کہ آیا سرحد کی عوام ہندوستان کے ساتھ رہنا چاہتی ہے یا پاکستان کے ساتھ۔ جناح نے جواباً کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں' ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کی موجودگی میں منصفانہ انتخابات یا ریفرنڈم کی کوئی توقع نہیں۔ بہرحال آپ برطانوی حکومت سے ریفرنڈم کا باقاعدہ اعلان کروادیں' میں یہ ذمہ داری لیتا ہوں کہ سرحد میں فسادات ختم ہوجائیں گے خواہ قبائلیوں کو قائل کرنے کے لئے مجھے خود جانا پڑے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم کو خائف کرنے کی بڑی کوشش کی اور یہاں تک کہا کہ ہمیں وہاں اپنی بات منوانے کی قیمت ساڑھے تین کروڑ روپیہ ماہانہ ادا کرنی پڑتی ہے' آپ کی بات وہ مفت میں کیسے مان لیں گے؟ قائداعظم نے بڑے اعتماد سے کہا کہ آپ ریفرنڈم کا اعلان کروادیں' باقی بات مجھ پر چھوڑ دیں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن مجبور ہوگیا اور اس نے ریفرنڈم کا اعلان کروانے کا وعدہ کرلیا۔ نہرو کے علم میں جب یہ بات آئی تو وہ بہت سٹپٹایا۔ اس نے کہا کہ اس طرح تو ہندوستان کے سینکڑوں مقامات پر ریفرنڈم کروانا پڑے گا' جس پر اسے جواب دیا گیا کہ اگر پنجاب اور بنگال کے دو الگ الگ حصوں کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جا رہا ہے کہ وہ ہندوستان میں شامل ہوں گے یا پاکستان میں تو یہ اختیار صوبہ سرحد کو کیوں نہیں دیا جا سکتا۔ تاہم نہرو نے سرحد میں ریفرنڈم کے خلاف بڑی دلیلیں دیں جن میں ایک یہ بھی تھی کہ حالیہ فسادات کی وجہ سے لاکھوں ہندو سکھ وہاں سے ہجرت کر رہے ہیں' اس سے صوبہ کی آبادی پر فرق پڑا ہے۔

بہرحال سرحد میں ریفرنڈم ہوا اور اکثریت نے پاکستان کے ساتھ شامل ہونے کے حق میں فیصلہ دیا۔

۲ جون ۱۹۴۷ء کو دہلی کے وائسرائے لاج میں ایک تاریخی کانفرنس ہوئی جس میں نہرو' پٹیل' کرپلانی' جناح' لیاقت' نشتر اور بلدیو سنگھ نے شرکت کی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جذباتی قسم کی تقریر کی اور تقسیم ہند کا اعلان کیا لیکن اس نے برطانوی حکومت کی اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ نئے وجود میں آنے والے دونوں ممالک آپس میں دفاعی سمجھوتہ کرلیں گے۔ سرحدوں کا حتمی تعین بعد میں ہوجائے گا لیکن دونوں فریق فوری طور پر اس منصوبے کو منظور کرنے کا اعلان کردیں۔

تقسیم کے بعد کانگرسی رہنماؤں کے بعض تبصروں اور گفتگوؤں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کانگرس کیوں مطالبہ پاکستان ماننے پر مجبور ہوئی؟ ۱۹۵۶ء میں نہرو نے اپنے سوانح نگار مائیکل بریشر کو ہندوستان کا بٹوارہ منظور کرنے کی وجوہات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا: "میرا خیال ہے کہ یہ حالات کا جبر تھا اور اس احساس کی کارفرمائی تھی کہ ہم یہ راستہ اختیار کئے بغیر اس تعطل یا دلدل سے باہر نہیں آسکیں گے جو بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ علاوہ ازیں یہ اندازہ بھی تھا کہ اس پس منظر کے ساتھ اگر ہندوستان کو آزادی مل بھی گئی تو یہ ایک بے حد کمزور ہندوستان ہوگا"۔ پھر ۱۹۶۰ء میں وہ کہتا ہے کہ "ہمیں توقع تھی کہ یہ بٹوارہ عارضی ہوگا اور پاکستان ہمارے ساتھ واپس آن ملنے پر مجبور ہوجائے گا"۔ سردار پٹیل کہتا ہے کہ "میں نے محسوس کیا کہ اگر ہم نے تقسیم کو منظور نہ کیا تو ہندوستان کے حصے بخرے ہوجائیں گے اور یہ مکمل طور پر تباہ ہوجائے گا۔ مخلوط حکومت میں ایک سال گزارنے کے تجربے کے بعد میں قائل ہوگیا تھا کہ ہم جس راستے پر جا رہے ہیں' وہ ہمیں بربادی کی طرف لے جائے گا۔ اس طرح ہمیں ایک پاکستانی نہیں بلکہ بہت سے پاکستانوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

بہرصورت نزول قرآن کے مقدس مہینے' رمضان المبارک کی ستائیسویں شب (جس کے لیلۃ القدر ہونے کا قوی ترین امکان ہے) جو حسن اتفاق سے یا حکمت خداوندی کے مطابق شب جمعہ بھی تھی' نصف شب کے قریب ریڈیو لاہور سے مصطفیٰ علی ہمدانی کی آواز گونجی "یہ ریڈیو پاکستان ہے" اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست وجود میں آگئی۔

۱۵ اگست ۴۷ء کی سحر مسلمانان ہند کے ایک دیرینہ خواب کی تعبیر کے ساتھ طلوع ہوئی اگرچہ انگریز ہندو گٹھ جوڑ آخر وقت تک مسلمانوں کے اور ان کی نئی مجوزہ مملکت پاکستان کے درپے رہا۔ باؤنڈری کمیشن نے ریڈکلف ایوارڈ کی صورت میں بھارت کے حق اور پاکستان کے خلاف جتنی ممکن ہو سکی' ڈنڈی ماری اور اصولی طور پر یہ طے ہو جانے کے باوجود کہ پنجاب اور بنگال کے وہ تمام علاقے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے' پاکستان کا حصہ بنیں گے بہت سے علاقوں کے بارے میں پاکستان سے صریحاً ناانصافی کی گئی۔ ضلع گورداسپور جہاں مسلمانوں کی واضح اکثریت تھی' بھارت کے حوالے محض اس لئے کر دیا گیا کہ بھارت کا کشمیر کے ساتھ زمینی رابطہ رہ سکے۔

ان سب ناانصافیوں کے باوجود مسلمان جنہیں ہندوؤں کے ساتھ کئی صدیاں اکٹھا رہنے کا تجربہ ہو چکا تھا' بنیا ذہنیت' ہندو کی روایتی تنگدلی اور فرقہ وارانہ تعصب سے اس قدر متنفر ہو چکے تھے کہ مستقبل میں اشتراک کی صورت میں اس سے کسی خیر کی توقع نہیں رکھتے تھے اور ایسی صورت میں بلاشبہ انہیں اپنا الگ تشخص ہی برقرار رکھنا بڑا دشوار ہو جاتا۔ لہٰذا تقسیم ہند اور پاکستان کے نام سے الگ اور ایک مکمل طور پر آزاد مملکت حاصل کرنے پر ان کا اظہار مسرت بالکل فطری تھا۔ تاہم یہ خوشی زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوئی کیونکہ مسلمانان ہند جنہوں نے قیام پاکستان میں فیصلہ کن رول ادا کیا تھا' ہندوؤں کے انتقامی جذبے کا شکار ہوئے۔ ان کے خون سے ہولی کھیلی جانے لگی اور بستیوں کی بستیاں راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہونے لگیں۔

ردعمل میں پاکستان میں ہندو اقلیت کے ساتھ مسلمانوں نے بھی کم و بیش یہی سلوک کرنا شروع کر دیا جو یقیناً جوابی اقدام کے طور پر بھی انتہائی ناپسندیدہ اور قابل مذمت تھا کیونکہ مسلمانوں کو ان کا دین اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا تھا۔ بہرکیف دونوں طرف ان گنت تارکین وطن کے قافلے آنے اور جانے لگے۔ ریل گاڑیوں میں بھی غیر معمولی اژدھام تھا۔ انسانی خون بیدردی سے بہایا جا رہا تھا۔ مرنے والوں کی تعداد کا شمار ناممکن تھا۔ کیتھ کیلارڈ نے "Pakistan, a Political study" میں تارکین وطن کی تعداد ایک کروڑ ۲۰ لاکھ لکھی ہے۔

مغربی پنجاب کے ہندوؤں کو مسلمانوں کی جوابی انتقامی کارروائی سے بچانے کے لئے اکتوبر ۴۷ء میں خود قائداعظم نے لاہور کا دورہ کیا' مسلمانوں کو صبر و تحمل کی تلقین کی اور انتقامی کارروائیوں پر شدید اظہار ناراضگی کیا۔ پاکستان میں مہاجرین کے یک بیک امڈ آنے والے سیلاب نے مسلم لیگ کی تنظیمی صلاحیتوں کو بڑی سخت آزمائش میں ڈال دیا۔ قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ کے لئے یہ پہلا اور بہت بڑا چیلنج تھا جسے بلاشبہ مسلم لیگ کے رضاکاروں اور عوام نے مردانہ وار قبول کیا اور تاریخی خدمات انجام دیں۔ یہ ان کی انتھک اور شب و روز کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ اتنے کثیر تعداد میں مہاجرین کی بحالی کا کام جو بظاہر ناممکنات میں سے تھا' کسی درجہ میں انجام پا گیا۔

ملک بھر میں انتظامیہ کا شیرازہ منتشر تھا' مسلم لیگ کے پاس کوئی موثر تنظیم نہیں تھی اور وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔ پھر یہ کہ مسلم لیگ تو بنیادی طور ایک سیاسی تحریک تھی اور اس نوع کے بحران سے نمٹنے کا نہ وہ تجربہ رکھتی تھی نہ وسائل۔ مسلم لیگی حکومت ابھی مہاجرین کے مسائل میں الجھی ہوئی تھی کہ ۲۵ اکتوبر ۴۷ء کو ریاست جموں و کشمیر کے ڈوگرہ حکمران نے بھارت سے الحاق کر کے گویا پاکستان کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیا۔ کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق جہاں دشمنوں کی زیادتی اور مکاری کا نتیجہ تھا وہاں اپنوں کی سادگی اور اعتماد کے شدید فقدان کا مظہر بھی تھا کیونکہ مسلم لیگ ہی کی طرف سے تجویز کیا گیا تھا کہ ریاستوں کی قسمت کا فیصلہ ان کے حکمران اور راجے کریں گے۔ یہ تجویز شاید ریاست بہاولپور اور حیدر آباد دکن کو مدنظر رکھ کر بنائی گئی تھی حالانکہ ریاست بہاولپور کا فیصلہ اگر عوام پر بھی چھوڑ دیا جاتا تب بھی وہ پاکستان ہی کے حق میں ہوتا اور جہاں تک حیدر آباد دکن کا تعلق تھا وہ جغرافیائی لحاظ سے پاکستان سے کٹ کر اس حد تک بھارت کی بغل میں تھا کہ بھارت اسے اپنے سے الگ قبول نہیں کر سکتا تھا۔

جس روز یعنی ۱۱ ستمبر ۴۸ء کو قائداعظم اس دنیا سے رحلت فرما گئے' بھارت عین اسی روز فوج کشی کر کے حیدر آباد دکن پر قابض ہو گیا۔ اگر الحاق کا معاملہ ریاستوں کے عوام پر چھوڑا جاتا تو یقیناً کشمیر کا فیصلہ مختلف ہوتا۔ کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق پر پاکستان کی سیاسی صورت حال شدید متاثر ہوئی۔ قائداعظم کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دے چکے تھے اور پاکستانی عوام کو کشمیر کے ساتھ جذباتی لگاؤ بھی تھا چنانچہ دونوں ملکوں پر جلد ہی حالت جنگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ کی تنظیم کی ازسرنو تشکیل جو ازحد ضروری تھی' مذکورہ بالا مسائل میں بری طرح پھنسنے کی وجہ سے نہ کی جا سکی اور اس کمی کی تلافی آج ۴۵ سال گزرنے کے بعد بھی نہیں ہو سکی ہے۔ قائداعظم کو اس کمی کا شدت سے احساس تھا جس کا اظہار انہوں نے ۲۵ اکتوبر ۴۷ء کو رائٹر کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا۔ آپ نے کہا:

"میں جانتا ہوں کہ صورت حال میں جو بنیادی تبدیلی ہو چکی ہے' اس کی روشنی میں مسلم لیگ کی تنظیم کی ازسرنو تشکیل بہت ضروری ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے لئے بڑی سنگین صورت حال پیدا کر دی گئی ہے اور ہم اس سے نمٹنے میں اس حد تک مصروف ہو گئے ہیں کہ ہمیں اس مسئلے اور کئی دوسرے درپیش مسائل پر توجہ دینے کا موقع ہی نہیں ملا۔ یہ مسائل بدستور ہماری فوری اور بھرپور توجہ کے متقاضی ہیں"

ان حالات میں اس وقت کی مسلم لیگی قیادت پر یہ تنقید بے جواز محسوس ہوتی ہے کہ وہ عوامی ذہن میں الجھاؤ ختم کرنے' بڑھتی ہوئی مایوسی اور بے چینی کا مقابلہ کرنے' حکومت اور عوام کے درمیان رابطہ پیدا کرنے اور ایک مقبول عام پارٹی کے طور پر کام کرنے میں ناکام رہی اس لئے کہ مہاجرین کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اور خالی خزانے کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کی بجائے مسلم لیگ کی تنظیم نو میں لگنا کسی طرح ممکن نہیں تھا البتہ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں آنے والی مسلم لیگی قیادت نے بھی اس طرف قطعاً توجہ نہ کی اور ذاتی مفادات کی سیاسی جنگ میں ہی ان کا انہماک رہا۔ ●

آٹھویں ترمیم کا کون سا حصہ امریکہ کو کھٹکتا ہے!

امریکی مفادات اور پاکستان

آئی ایس آئی کی قیادت میں تبدیلی ہم نے اپنے "مہربان" کے اشارے پر کی

فیاض اختر میاں

اس سے قبل کہ ہم علاقہ میں موجود امریکی مفادات کا جائزہ لیں مناسب ہو گا کہ پہلے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے رخ کا اندازہ کر لیں۔ سوویت یونین کے مردہ بطن سے چھ مسلمان ریاستوں کا جنم لینا اور افغانستان کے ایک اسلامی ریاست میں بدلنے کی طرف بڑھتے ہوئے قدم قرآن مجید کی اس آیت کا ظہور معلوم ہوتے ہیں کہ "ہم زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کو پیدا کرتے ہیں"۔ انہی تیزی سے بدلتے ہوئے حالات نے مملکت خداداد پاکستان کی اہمیت کو کئی اعتبار سے پہلے سے کئی گنا زیادہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے اپنوں اور غیروں کی نظریں اس خطہ پر مرکوز ہوتی جا رہی ہیں' مثلاً پاکستان کی فوجی و عسکری قوت کے خود کفالت کی طرف بڑھتے ہوئے قدم' یہاں اٹھنے والی احیائے دین کی تحریکیں جو کسی وقت بھی انقلابی موومنٹ کا روپ دھار کر اسلامی نظام کو برپا کر سکتی ہیں اور یہ کہ وسطی ایشیاء کی چھ ریاستیں' افغانستان اور پاکستان مل کر خلافت راشدہ کی طرز پر ایک مضبوط اسلامی بلاک بھی بنا سکتے ہیں۔

دنیاوی اور قدرتی عوامل بھی ان آٹھ ممالک کو ایک دوسرے کی طرف متوجہ بلکہ باہم دگر پیوست ہونے پر مجبور کر رہے ہیں مثلاً:

(۱) بوسنیا کے معاملہ نے مغربی استعمار اور اسلام دشمن بھیڑیوں کے چہروں کے تمام خوشنما نقاب ہٹا کر ان کے بھیانک روپ کو نمایاں تر کر دیا ہے جس سے ان ریاستوں کا پاکستان کی طرف جھکاؤ ایک قدرتی امر ہے۔

(۲) پاکستان کی حیثیت ان ریاستوں کے گیٹ وے (شاہ درہ) کی سی ہے اور یہ کہ ان ریاستوں کا سمندر سے رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی درآمدی و برآمدی تجارت کا دارومدار پاکستان کے ذریعے راستے پر ہے۔ اس بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ دیگر معاملات میں بھی دو طرفہ تعلقات میں اضافہ ہونا ایک فطری سی بات ہو گی۔

(۳) پاکستان میں حالیہ فروغ صنعت کاری پروگرام پر عملدرآمد کے بعد تیار مال کی کھپت کے لئے یہ سات ممالک بہترین منڈی ثابت ہو سکتے ہیں جس کے نتیجہ میں امریکہ اور اس کے حواریوں کا خطہ میں اقتصادی دباؤ کا ہتھیار بے اثر ہو کر رہ جائے گا۔

(۴) ان ریاستوں میں ایٹمی ری ایکٹروں سے پیدا ہونے والی بجلی پاکستانی کی صنعتی پیداوار کے منصوبے کو توانائی کے بحران سے نکالنے میں بہت معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

(۵) پاکستان اور ان ریاستوں کے درمیان ممکنہ دفاعی معاہدوں کے بعد ان ریاستوں میں موجود ایٹمی ہتھیار پاکستان کے خلاف کسی بھی جارحیت کا منہ توڑ جواب ثابت ہو سکتے ہیں۔

اب آیئے خطہ میں امریکی سازشوں کی طرف جنہیں بعض اعتبارات سے امریکی مفادات کا نام دیا جاتا ہے۔ ان میں سرفہرست یہ ہے کہ پاکستان کو کشمیر' افغانستان اور مشرقی پنجاب میں مداخلت کے الزام اور ایٹمی پروگرام کا ہوا کھڑا کر کے دہشت گرد ملک قرار دیا جائے۔ پھر اقتصادی و تجارتی ناکہ بندی کے ذریعے بے چینی پیدا کرنے کے بعد ہندوستان کو پاکستان کی فوجی و عسکری قوت کو تباہ و برباد کرنے کے لئے استعمال کیا جائے جس کی تیاری میں ایک طرف ہندوستان اسرائیل کے ساتھ دفاعی معاہدے کر چکا ہے تو دوسری طرف پاکستان پر کھلی جارحیت کے دوران اس کے دوستوں کو دشمن یا کم از کم غیر جانبدار بنانے کے لئے اسرائیل اور چین کے درمیان دوستی اور اقتصادی رابطہ کی راہ میں تمام رکاوٹوں کو دور کیا جا رہا ہے اور اس کے علاوہ امریکہ نے خود بھی چین کو ایسے تجارتی معاہدوں کے جال میں جکڑ لیا ہے' جس کا مالی فائدہ صرف اور صرف چین کو جاتا ہے۔ اسی شیطانی چال کا نتیجہ ہے کہ چین آہستہ آہستہ پاکستان کو نہ صرف دفاعی ٹیکنالوجی کی منتقلی سے ہاتھ کھینچ رہا ہے بلکہ پہلے سے موجود معاہدوں کی رو سے مخصوص اسلحہ کی ترسیل جس میں خاص طور پر دور مار میزائل شامل ہیں' روک دی گئی ہے کیونکہ ایسا نہ کرنے پر امریکہ نے ان تجارتی معاہدوں کو توڑنے کی دھمکی دی ہے جس کے ذریعہ چین ہر سال اربوں روپے نہ صرف کما رہا ہے بلکہ اس کا عادی بھی ہوتا جا رہا ہے۔

اگرچہ چین امریکہ کی چال میں آتا ہے تو یہ خود اس کے لئے بھی بہت برا ہو گا کیونکہ سوویت یونین کے بعد امریکہ کی نظریں چین پر بھی لگی ہیں اور مضبوط پاکستان میں خود اس کی بقا بھی مضمر ہے تاہم یہ چال صرف اس صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے جب ہندوستان اپنے داخلی انتشار پر قابو پا کر پاکستان پر کھلی جارحیت کی پوزیشن میں آ جائے وگرنہ بصورت دیگر اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی مشرق بعید سے فارغ ہو کر ذرائع نشرواشاعت کے ذریعہ جن پر ان کی مکمل گرفت ہے' پاکستان کے چھوٹے سے ایٹمی پلانٹ اور اس سے متوقع ایٹم بم کو اس قدر بڑا اور تباہ کن بنا کر دکھا دیں کہ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوف کی لہر دوڑ جائے اور پھر پوری دنیا اس جھوٹے پراپیگنڈہ کے زیر اثر نہ صرف پاکستان کو انسانیت کا دشمن تسلیم کر لے بلکہ اپنی افواج بھی پاکستان کی سرکوبی کے لئے امریکہ کے زیر کمان مہیا کر دے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لئے ہندوستان کی زمین سعودی عرب سے زیادہ سازگار ثابت ہو گی۔

پاکستان سے نمٹنے کے بعد ایران' چین اور خود

اسلام کے نام لیواؤں سے

جس وقت بابری مسجد کے گنبدوں پر کدالیں پڑ رہی تھیں' یکے بعد دیگرے اس کا ایک ایک گنبد شہید ہو کر گر رہا تھا' شہادت کے ان روح فرسا لمحات میں ٹوٹتے درودیوار سے نکلنے والی صدا اپنے قاتلوں سے کیا کہہ رہی ہے؟ دل شکستہ شاعر نے مظلوم بابری مسجد کی یہی "آخری آواز" اس تصوراتی نظم میں قلمبند کرنے کی جراءت کی ہے' اس المناک منظر کی تصویر کشی پر ایک غمزدہ' سوگوار' مومن کی شدت احساس معذرت خواہ ہے' ع رکھیو غالبؔ مری اس تلخ نوائی کو معاف (ندؔا)

کہیں مٹا ہے مٹانے سے خوں شہادت کا
یہ میرا قتل نہیں' قتل ہے عبادت کا

خدائی قہر کی صورت ستاؤں گی تم کو
فنا کے بعد بھی صدیوں رلاؤں گی تم کو
میں گھر تھی ایک خدا کا بتاؤں گی تم کو
جبین دہر سے چن کر مٹاؤں گی تم کو
خود اپنے خون کا بدلہ مجھے چکانا ہے
اسی مقام پہ اک روز جگمگانا ہے

تمہارے ظلم کا انجام لے کے آؤں گی
جہان شرک میں کہرام لے کے آؤں گی
نئی حیات کا پیغام لے کے آؤں گی
میں خاک ہند پہ اسلام لے کے آؤں گی
جنوں میں آج گراتے ہو برجیاں میری
کروگے جمع تم اک روز کرچیاں میری

خوشی مناؤ نمازوں کو چھوڑنے والو خدا کے حکم سر عام توڑنے والو
مرے وجود سے رخ اپنا موڑنے والو وفا کے خون سے دامن نچوڑنے والو
تمہاری خوئے تغافل پہ آج روتی ہوں
خوشی مناؤ کہ میں بھی شہید ہوتی ہوں

(ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ---- مارچ ۱۹۹۳ء)

ہندوستان سے دو دو ہاتھ کرنے کا اس سے اچھا موقع کیا ہوگا کیونکہ نیو ورلڈ آرڈر کو جو دراصل "جیو ورلڈ آرڈر" ہے جس کے ذریعہ بظاہر امریکہ لیکن درحقیقت یہودی پوری دنیا میں حکمرانی کے خواب دیکھ رہے ہیں عملی شکل دینے کے لئے ضروری ہے کہ پوری دنیا کو چھوٹی چھوٹی بے ضرر عرب ریاستوں کی طرح تقسیم کرکے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ کنٹرول کیا جائے۔ اس طرح کسی بھی چھوٹی ریاست کو جرأت نہ ہوگی کہ وہ امریکیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے مفادات کی بات کر سکے اور اگر کوئی ریاست اس دجالی فتنہ کے اثرات سے نکلنے کی کوشش کرے بھی تو امریکہ بہادر کو کچھ زیادہ تردد نہ ہوگا کیونکہ اس کے آس پاس کی ریاستوں میں موجود ایجنٹ ہی اس کی گوشمالی کے لئے کافی ہوں گے۔

مرحوم ضیاء الحق کے دور حکومت میں آئین کے اندر جو ترامیم کی گئی تھیں ان کا اہم ترین حصہ جو اکثر و بیشتر زیر بحث رہتا ہے' آٹھویں ترمیم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دو چار نہیں بلکہ لگ بھگ اسی ترامیم کا مجموعہ ہے۔ اس میں بھی اہم ترین صدر کے صوابدیدی اختیارات اور وفاقی شرعی عدالت کا قیام ہے جو خاص طور پر سود کے خلاف اس عظیم تاریخی فیصلے کے بعد امریکہ کی نظروں میں کھٹک رہی ہے جس میں سود کی ہر شکل کے بارے حرف آخر کہہ دیا گیا۔ اس فیصلے سے یہودی مہاجنوں میں کھلبلی پڑ گئی ہے کیونکہ یہودیوں کا اہم ترین ہتھیار مالیاتی نظام اور سودی بینکنگ سسٹم ہے جس کے ذریعہ وہ پوری انسانیت کا قلیل اقلیت میں ہونے کے باوجود خون نچوڑ رہے ہیں اور جیسا کہ بچوں کی کہانیوں میں دیو کی جان طوطے میں ہوتی ہے اور اگر کوئی اس طوطے کو ختم کردے تو نہ صرف وہ دیو مرجاتا ہے بلکہ وہ مکمل طلسماتی ماحول اور اس میں موجود دیو کا محل بھی از خود تحلیل ہو کر غائب ہو جاتا ہے' بعینہ اسی طرح دنیا کے کسی بھی خطہ میں غیر سودی اقتصادی و مالیاتی نظام کامیابی سے چل پڑے' جس کے قابل عمل ہونے پر بحیثیت مسلمان ہمارا ایمان ہے تو یہودی مع اپنے اس طلسماتی و شیطانی نظام کے دنیا سے یوں نابود ہو جائیں گے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

لیکن جیسے دیو طوطے کی طرف بڑھنے والے کسی بھی شخص پر سارے کام چھوڑ کر متوجہ ہوتا ہے' بالکل اسی طرح سود کے خلاف وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ نے یہودیوں کو سارے کام چھوڑ کر اپنی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ چنانچہ صیہونی ذہن

بابری مسجد کی آخری آواز

یہ ظلم و جبر کی سوغات رنگ لائے گی
یہ خاک و خون کی برسات رنگ لائے گی
یہ قتل ہوتی مساوات رنگ لائے گی
سنو! یہ تلخی حالات رنگ لائے گی
یہ میرا خون شہادت ہے' رنگ لائے گا
زمین ہند پہ اسلام لہلہائے گا

سنو سو مری' اے حلقہ ستم ایجاد
خدا کا ہے وسعی فی خرابها ارشاد
تمہارے ہاتھوں نے جس پل کیا مجھے برباد
یہاں پہ دین محمدؐ کی ڈال دی بنیاد
ہر ایک مونس و دمساز ہونے والا ہے
یہاں پہ دین کا آغاز ہونے والا ہے

بتاؤں دل میں تمہارے ہیں تلخیاں کتنی؟
مجھے گرا کے اجاڑو گے بستیاں کتنی؟
اڑائی تم نے ہیں آئین کی دھجیاں کتنی؟
لکھے گا وقت مرے خوں سے سرخیاں کتنی؟
مٹاؤ شوق سے انسانیت کی فصلوں کو
میں دوں گی نور ہدایت تمہاری نسلوں کو

محمد ارشاد ندؔا خیالی نوگانوی

اپنے تمام حواریوں کے ساتھ اپنی بقا کی جنگ لڑنے کے لئے پاکستان پر ہر طرف سے یلغار کر رہا ہے۔

موجودہ اور سابقہ حالات و واقعات کے تناظر میں وفاقی شرعی عدالت کو بمع اس کے فیصلوں کے ختم کرنے کے لئے یہودی سازش کچھ اس طرح کی معلوم ہوتی ہے کہ آٹھویں ترمیم سے ملکی سیاسی سطح پر جو عدم توازن موجود ہے' اسے پہلے اتنا نمایاں کیا جائے کہ رائے عامہ یہ بن جائے کہ یہ عدم توازن ختم کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ آٹھویں ترمیم کو ختم کر دیا جائے۔ ڈرامے کا یہ حصہ تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ جیسے کوئی مریض بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی کڑوی کسیلی دوا کھانے پر آمادہ ہو جاتا ہے' ایسے ہی قومی و صوبائی اسمبلیوں کی آئے دن کی ٹوٹ پھوٹ نے پورے ملک میں کاروباری و اقتصادی حالات کو اس قدر دگرگوں کر دیا کہ خدا کی پناہ۔ مارکیٹوں میں شدید مندے کا رجحان رہا اور عام استعمال کی اشیاء کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ عدم تحفظ کا یہ عالم ہے کہ چوری' ڈاکے' زنا جیسے واقعات روز مرہ کا معمول بن گئے ہیں۔ جو لوگ پہلے آٹھویں ترمیم اور صدر کے گن گایا کرتے تھے وہی پچھلے دنوں صدر کے خلاف آٹھویں ترمیم کے حوالہ سے برسرپیکار رہے اور کوئی دن نہیں گزرا جب آٹھویں ترمیم کے خلاف بیان بازی میں کسر رہی ہو یا میڈیا میں اس کے خلاف مضمون نہ چھپتے ہوں۔

یہ تجزیہ نگار بھی سیاسی سطح پر اس عدم توازن کے خلاف ہے اور اس بات کا قائل ہے کہ جس پر ذمہ داریاں ہیں اس کے پاس اختیار بھی ہونا چاہئے نہ کہ موجودہ صورتحال کی طرح ذمہ داریاں اور جوابدہی تو وزیراعظم کی لیکن فیصلہ کن اختیار صدر کے پاس ہو۔ مگر اس عدم توازن کی آڑ میں یہودی سازشی ذہن جو شکار کھیل رہا ہے' بدقسمتی سے بہت کم لوگ اس طرف متوجہ ہوئے یعنی یہ کہ وفاقی شرعی عدالت کا قیام اور اس کا سود کے خلاف وہ عظیم تاریخ ساز فیصلہ بھی آٹھویں ترمیم ہی کا رہین منت ہے جو نہ صرف پاکستان کی تاریخ کا سنہرا باب ہے بلکہ پوری دنیا کو یہودیوں کے طلسماتی اثرات سے نکالنے کے لئے ایک کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔

تمام کا تمام میڈیا دیکھنے میں تو سیاسی عدم توازن کی بنیاد پر آٹھویں ترمیم کو ختم کرنے کے لئے زور لگا رہا ہے مگر دراصل دشمنوں کو پاکستان میں سیاسی عدم توازن تو مطلوب ہے ہی' اصل سازش اس فاضل

عدالت کے خلاف ہے جس نے سود کے خلاف فیصلہ دیا ہے۔ اگر خدانخواستہ دشمنوں کا داؤ چل جاتا ہے تو پھر پاکستان کی بقاء کو بھی شدید خطرات درپیش ہیں کیونکہ اس میں بسنے والے مختلف رنگ و نسل کے لوگوں کو جوڑنے والی چیز صرف اور صرف اسلام ہے۔

یہودی یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ اس مربوط سازش میں ذرا سا بھی رخنہ پاکستان کو ایک ہی جھٹکے میں مکمل طور پر اس کی گرفت سے آزاد کر سکتا ہے کیونکہ پاکستانیوں کو اسلام سے دور رکھنے میں کامیابی کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی والہانہ محبت کو ان کے دلوں سے نہیں نکالا جا سکا لہٰذا اگر کسی طرح پاکستانی عوام میں یہ شعور پیدا ہو گیا کہ دراصل یہ وفاقی شرعی عدالت اور اس کے فیصلہ کے خلاف نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے دین متین کے خلاف سازش ہے تو پھر جو شدید عوامی ردعمل پیدا ہو گا وہ اس عظیم انقلاب کو جنم دے سکتا ہے جو امریکی پٹھو حکومت کے اقتدار کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ تب نظام خلافت کے اس سورج کو ابھرنے سے کوئی نہیں روک سکے گا جو بالآخر پوری دنیا کی تاریکیوں کو اپنی ضوفشاں کرنوں سے منور کر دے گا۔

ومکروا ومکر اللہ (آل عمران) ترجمہ: انہوں نے یعنی یہود نے خفیہ چال چلی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ پس منظر اس آیہ مبارکہ کا یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کے لئے ان کے جس ساتھی کو چند ٹکوں کے عوض مخبری پر آمادہ کیا' اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر سے اپنے رسول کو تو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا مگر اس مخبری کرنے والے کے چہرے کو حضرت عیسیٰؑ کے چہرے کی مانند کر دیا۔ لہٰذا بادشاہ کے سپاہیوں نے اس مخبر کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ دجالیت کے اس دور میں پاکستانی سیاست' فوج اور بیوروکریسی میں یہود و نصاریٰ کے اثرات کے باوجود وفاقی شرعی عدالت کا سود کے خلاف اتنا مدلل فیصلہ کسی طور بھی کسی معجزہ سے کم نہیں اور اس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاص تدابیر بھی فرما دی ہیں مثلاً اگر زنجیر کا ایک سرا وفاقی شرعی عدالت کے ساتھ منسلک ہے تو دوسرا سرا صدر کی ٹانگ کے ساتھ بندھا ہے جس کی بدولت صدر کو بغیر کسی اہم ذمہ داری کے وسیع تر اختیارات بھی حاصل ہیں۔

ایک طرف پارلیمنٹ میں اکثریت اور عوامی حلقوں میں اپنے حق میں رائے عامہ کے ساتھ وزیراعظم ہے تو دوسری طرف صرف صدر صاحب اور ان کے چند حاشیہ بردار۔ بظاہر طاقت کا توازن وزیراعظم کے حق میں معلوم ہوتا ہے مگر اہل نظر جانتے ہیں کہ صدر کے اختیارات کے پس پردہ پاک افواج کے مفادات وابستہ ہیں جس نے آٹھویں ترمیم کے ذریعہ وہ فارمولا حاصل کر لیا ہے جس نے اسے مارشل لاء کے بغیر بھی ان تمام معاملات و اختیارات کا مالک بنا دیا ہے جو پہلے مارشل لاء کی رسوائی مول لئے بغیر ممکن نہ تھے۔ یہی وہ آہنی ہاتھ ہے جس نے صدر کو طاقت کا پہاڑ بنا دیا۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کہ آٹھویں ترمیم ہی نے مارشل لاء کا راستہ روک رکھا ہے۔

ویسے تو اہل دانش پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے مگر عام قاری کے لئے اس بات کو واضح کرنا ضروری ہو گا کہ پاکستان میں طاقت کی مثلث کے تینوں زاویئے جو اہل سیاست' فوجی قیادت اور سول بیوروکریسی پر مشتمل ہیں' امریکہ کی مٹھی میں ہیں اور وہ سب کے سب وہی پالیسیاں وضع کرتے ہیں جو انہیں ڈکٹیٹ کروائی جاتی ہیں مگر پھر بھی کبھی کبھی کوئی پالتو وفادار اپنے ضمیر یا ذاتی انا کے ہاتھوں مجبور ہو کر آقا کے احکامات کو پس پشت ڈال کر کوئی ایسا کام کرنے کی کوشش کر ہی لے جو امریکی مفادات کے خلاف ہو تو اسے فوری طور پر سزا دے دی جاتی ہے تاکہ آئندہ کسی کو جرأت نہ ہو۔ مثلاً ایوب خاں اپنی تمام تر وفاداریوں کے باوجود اگر صنعتی ترقی کی طرف پیش رفت نہ کرتا تو بھٹو کو آگے لانے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اسی طرح اگر بھٹو صاحب اپنے کام سے کام رکھتے اور بیچارے سوئے ہوئے عربوں کو جگا کر یہ بتانے کی حماقت نہ کرتے کہ ان کے پاس تیل جیسا موثر ہتھیار بھی ہے اور نہ ہی پاکستان کے لئے ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول کے معاہدے کرتے تو امریکہ کو کیا پڑی تھی کہ اپنے قیمتی آدمی کو ضیاء صاحب کے ہاتھوں مرواتا اور پھر ضیاء مرحوم حادثہ کا شکار کیوں ہوتے اگر وہ سوویت یونین کے تحلیل ہونے کے بعد وہی کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتے جو بعد میں ان کے شاگرد میاں نواز شریف نے امریکہ بہادر کے اشارے پر مجاہدین افغانستان کو دہشت گرد قرار دے کر کیا۔

ضیاء مرحوم کے کچھ اور بھی کام ہیں جو چچا سام کو ناگوار گزرے مثلاً وفاقی شرعی عدالت کی آئین میں آٹھویں ترمیم کے ذریعہ بنیاد فراہم کرنا' مشرقی پنجاب کے حریت پسندوں اور مجاہدین کشمیر کی ہر طرح سے امداد جاری رکھنا اور نہ صرف بھٹو کی ایٹمی ٹیکنالوجی کے پروگرام کو آگے بڑھانا بلکہ دیگر شعبوں میں بھی افواج پاکستان کو خود کفالت کی طرف پیش قدمی کروانا۔ یہ ایسے معاملات تھے جو امریکہ کی نظر میں ناقابل معافی تھے لہٰذا جس بیوروکریٹ نے بھٹو کے معاملہ میں مرکزی کردار ادا کیا تھا اس کے ذریعہ ضیاء صاحب کو بھی رستہ سے ہٹا دیا گیا۔

پاکستان کی اگلی حکمران بے نظیر صاحبہ ہوشیار اور چالاک باپ کی بیٹی ہونے کے باوجود جلد باز اور فطری طور پر جذباتی ثابت ہوئیں۔ اپنے باپ کے اصل قاتل کو اپنی وفاداری کا تو انہوں نے یقین دلا دیا مگر نہ صرف سارے پتے تیزی سے ہاتھ سے گرا دیئے بلکہ صدر یا دوسرے لفظوں میں فوج سے بھی سینگ پھنسا بیٹھیں جن کا ایک بھی جھٹکا برداشت نہ کر سکیں اور کرسی میاں نواز شریف صاحب کے لئے خالی کر دی۔ میاں صاحب فن تقریر سے تو کچھ زیادہ واقف نہیں مگر کاروباری سودا بازی کے ماہر تھے اور یہی ان کی خوبی ہے۔ ان کی پوری انتخابی مہم جن نعروں پر مشتمل تھی ان میں سرفہرست صنعتکاری' نفاذ اسلام اور کشمیر و افغانستان تھے مگر اقتدار میں آتے ہی اسلام کی طرف جو نہ خود انہیں اور نہ ہی چچا سام کو پسند تھا اور صرف انتخابی مہم کی ضرورت کے طور پر استعمال ہوا' پیش قدمی کی بجائے اس کو رسوا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ تاہم کشمیر اور افغان مسئلوں پر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ رد و قدح کا معاملہ ہوا لیکن لانگ مارچ اور اپنے پیرومرشد کا انجام یاد آنے پر چچا سام کے سامنے انہیں بھی سجدہ ریز ہونا ہی پڑا۔

اب لے دے کے ایک ہی معاملہ ایسا رہ گیا تھا جو امریکہ بہادر کو قطعی ناپسند تھا' ہے اور رہے گا۔ وہ ہے صنعتوں کے فروغ کا منصوبہ' مگر دوسری طرف میاں صاحب کے سیاسی مستقبل کا بھی سارا دارومدار اسی پر تھا۔ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی حکومت نے اس پروگرام کو بچانے کی ہر طرح سے کوشش کی مگر یہودی بھی کچی گولیاں نہیں کھیلتے رہے بلکہ جاپان اور کوریا کی مثال بھی ان کے سامنے ہے۔

امریکہ بہادر کی اس معاملہ سے توجہ ہٹانے کے لئے نہایت حساس معاملات تک بڑی خطرناک حد تک تبدیلیاں کی جا چکی ہیں۔ مثلاً دفاعی بجٹ کو ۹۰ء

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

فرنگی کل بھی اتنا ہی سفاک تھا جتنا آج ہے

شریف ترکوں سے ان کا کیا مقابلہ!

حال ہی میں برطانیہ کے وزیراعظم جان میجر کا اپنے وزیر خارجہ ڈگلس ہاگ کے نام ایک خط منظر عام پر آیا ہے جس میں بوسنیا ہرزیگووینا کے مسئلے پر یورپ کی طرف سے مذاکرات میں مصروف ڈگلس کو وزیراعظم نے خفیہ ہدایات دی ہیں خلاصہ جن کا یہ ہے کہ یورپ میں کسی اسلامی ریاست کے قیام کا امکان پوری طرح محو کرنے کے لئے ضروری ہو تو بوسنیا کی پوری مسلمان آبادی بالکل "صاف" کر دی جائے اور یہ کہ مسلمان ملکوں کی طرف سے فکر کی ضرورت نہیں کیونکہ "یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں" ---- شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کو مالٹا میں جن تجربات سے گزرنا پڑا اس کا صرف ایک پہلو شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی کتاب سے پیش خدمت ہے-----ادارہ

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ٹرکی میں جو اسراء (قیدیوں) کی رعایت اور آزادی تھی انگریزی حکومت نے اس کا آدھا تہائی بھی نہیں کیا بلکہ ابتداء جنگ میں تو برطانیہ نے ٹرکی اسیروں کے ساتھ جو کہ عراق وغیرہ میں پکڑے گئے تھے نہایت برا سلوک کیا۔ افسروں اور بڑے رتبہ والوں کے ساتھ مجرمانہ اور معمولی قیدیوں کا سا برتاؤ کیا مگر جب درۂ دانیال وغیرہ میں شکستیں ہوئیں اور ان کے بھی اسیر پکڑے گئے اس وقت سے کچھ ہوش آیا اور حقوق حسب قوانین دول (انٹرنیشنل لاز) مطالبہ کیا تھا تو یہ کہتے تھے کہ تمہاری حکومت مفلس اور دوچار دن کی ہے' ہم اگر تم پر خرچ کریں گے تو کس سے وصول کریں گے۔ جو اسراء عراق وہندوستان سے مالٹا آئے تھے ان سے جملہ احوال تفصیلی معلوم ہوئے تھے۔ میری خود ان لوگوں سے ملاقات ہوئی جو کہ ٹرکی کے یہاں اسیر تھے۔ پھر ان آفیسروں سے ملاقات ہوئی جن کے زیر تحویل اسراء انگریزی تھے اور پھر جملہ احوال کی تفصیلی کیفیت سننے میں آئی۔ بعض انگریز اسراء جو کہ انگلستان کے رہنے والے تھے اور ان کی ملاقات پہلے سے اشرف بیگ اور بعضے دیگر افسروں سے تھی' وہ چھوٹنے کے بعد مالٹا ہوتے ہوئے انگلستان گئے تھے اور ملنے کے واسطے اسارت گاہ (جیل) میں آئے تھے۔ انہوں نے اپنے دیگر اسراء کے معاملات نہایت شکریہ اور استحسان کے الفاظ میں بیان کئے تھے۔ یہ انگریز استنبول میں تجارت کرتا تھا۔ ایام جنگ میں اسیر ہوگیا تھا۔ اس نے مالٹا کے اسراء کی حالت دیکھ کر ٹرکی کے اسراء کی حالت کو بدرجہا ترجیح دی اور گورنمنٹ ترکی کی انسانیت اور ہمدردی کی بہت تعریف کی۔ برٹش گورنمنٹ نے اپنی قوت کے گھمنڈ اور اپنی سیاست کے خوف کی وجہ سے اسراء سے وہ معاملات بھی نہ کئے جو بین الدول (بین الحکومتی) ہمیشہ سے مقرر چلے آتے تھے۔

یورپ کی عادت ہے کہ کمزور کو قانون کی پابندی کراتا ہے بلکہ قانون کے مجمل الفاظ کو نئے نئے معنی پہناتا ہوا حسب خواہش عمل کراتا ہے' بسا اوقات انسانیت اور حقوق و عدالت کی ایسی کارروائیاں تراشتا ہے جن کا کبھی وہم و خیال بھی نہ ہوتا تھا۔ ان کو فوق القانون قرار دے کر کمزور حکومت سے عملدرآمد کراتا ہے اور جب اپنے عمل کی باری آتی ہے اور خود میں قوت دیکھتا ہے تو سارے قانون دھرے رہ جاتے ہیں اور بے وجہ اور کبھی باوجہ تراشیدہ غیر واقعیہ انواع و اقسام کے مظالم اور بے قاعدگی برتتا ہے۔

یورپ کا واقعی تمدن' اصلی تہذیب' حقیقی قانون' نفس الامری عدل فقط قوت ہے۔ اس کا اصلی مذہب جس کی لاٹھی اس کی بھینس ہے۔ جو قوم غیر یورپین اور غیر مسیحی ہو وہ اگر کمزور ہے تو ہر طرح وحشی اور غیر متمدن ہے' اس کے ساتھ ہر طرح کے مظالم جائز ہیں۔ پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ نئی نئی منطقیں گھڑ کر جملہ اعمال بد کو قاعدۂ عدل و انصاف میں داخل کر دیتا ہے۔ اس کے یہاں خلف وعد اور نقض عہود (وعدہ خلافی اور معاہدے کی خلاف ورزی) کوئی عیب نہیں بلکہ کمال ہے۔ اس کی نظروں میں جو شخص زیادہ مکار زیادہ فریبی زیادہ دھوکہ دینے والا زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے وہی زیادہ پالیٹکس اعلیٰ درجہ کا سیاسی نہایت عقلمند ہے۔ اس کا اصل اصول ہے کہ دوسری اقوام کی مبادی زندگی' لوازمات' حیواۃ' اسباب خوشحالی وجوہ ترقی کو اپنی قوم اپنے ملک پر قربان کرا دینا اور اس مقصود کے لئے ہر ممکن صورت کو عمل میں لانا اہم ترین فرائض اور سب سے بڑی انسانیت ہے۔ دوسری اقوام خواہ اپنی زندگانی سے محروم ہوجائیں مگر اپنا الو سیدھا ہونا ضروری ہے۔ اگر دیگر اقوام پر کسی درجہ میں رحم کھاتا ہے تو اسی درجہ پر ان کو باقی رکھنا چاہتا ہے کہ ذلیل و خوار ہوکر کتے کی زندگی بسر کرتے ہوئے غلامی میں سرگرم رہیں' اس کی چھین کھسوٹ غربا اور کمزور طبقہ پر اغنیاء اور ذی ثروت طبقہ سے زیادہ ہے۔ اس کی بھینٹوں پر چڑھنے والے دوچار نہیں ہوتے بلکہ تمام قوم اور جملہ افراد ملک کو اس کے ہر مقصد پر نثار ہونا ضروری ہے۔ وہ اپنی ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنانا لازم سمجھتا ہوا اس کو فخر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ضرورت کے پورے ہوجانے کے بعد طوطا چشمی کرنا اعلیٰ درجہ کی انسانیت اور کمال خیال کرتا ہے۔

اعلیٰ اور ادنیٰ اہل سیاست اور اعلیٰ درجہ کے فوجیوں کو کانٹے دار تاروں میں بند رکھنا ان پر شب و روز سنگینی پہرے قائم کرنا ان کی جسمانی اور روحانی آزادی بالکل سلب کردینا ان کے احوال اور مرتبہ اور عادت کے موافق سامان راحت ایام اسارت بہم نہ پہنچانا وغیرہ وغیرہ قانون دول کے مطابق کسی طرح جائز نہ تھا' ٹرکی نے حسب قوانین دول و لوازمات انسانیت بہت زیادہ حقوق دیئے مگر بدنصیب ٹرکی ایشیائی تھا یورپین نہ تھا' مسلم تھا مسیحی نہ تھا' کمزور تھا قوی نہ تھا۔ اس کی بھلائیاں بھی برائیاں ہوگئیں' اس کی مراعاتیں بھی مظالم ہوگئیں۔ اس نے دوسری دول کے اسراء کے ساتھ وہ معاملات کئے جو کہ اپنے قومی بچوں اور شاہی فوجیوں اور افسروں کے ساتھ نہ کئے تھے مگر وہ خطاوار نکلا۔ برٹش نے سب کچھ کیا مگر وہ سب بھلا کا بھلا ہی رہا' مصر میں ترکی فوجیوں کے ساتھ

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

کیا خلیفہ تاحیات ہوگا؟

اسی موضوع پر یا نظام خلافت کے کسی پہلو پر آپ بھی سوچ بچار کرتے ہیں تو ہمارے قارئین کو اس میں شریک کرنے کی غرض سے ان صفحات کو استعمال کیجئے

فضل الرحمٰن

جیسا کہ ہم جانتے ہیں نظام خلافت کا پورا ڈھانچہ خلیفہ کی ذات اور شخصیت پر استوار ہوتا ہے لہٰذا یہ امر کلیدی حیثیت رکھتا ہے کہ خلیفہ المسلمین کے تعین و تقرری کے طریقہ کار میں کوئی بڑا جھول نہ ہو۔ امیرالمومنین کے عہدے کے لئے اہلیت' طریقہ انتخاب قطعی غیر مبہم اور آسان فہم انداز میں اتنا متعین ہونا چاہئے کہ احتساب کا حق جو اسلامی ریاست کے ہر شہری کا فطری حق ہوتا ہے' ہر شخص کو اپنی رسائی کے اندر دکھائی دے رہا ہو۔ اسی موضوع پر غور و فکر زیر نظر تحریر کا محرک بنا ہے۔ البتہ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ تحریر کسی دعوائے اجتہاد یا فتوے کا درجہ نہیں رکھتی بلکہ محض نظام خلافت علی منہاج النبوہ کے ایک پہلو کو موضوع بحث بنانے کی سعی ہے لہٰذا اس کوشش میں قدمے سخنے یا یوں کہئے کہ "قلمے سخنے" شرکت کو تحریک خلافت پاکستان کے حلقوں میں پذیرائی ملنی چاہئے۔

تحریک خلافت پاکستان نے نظام خلافت کو دور جدید کے عصری تقاضوں کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے اگرچہ ماضی قریب میں "حزب التحریر" اور کچھ دیگر اداروں کی طرف سے بھی نظام خلافت کے منشور کے عنوان سے اس ضمن میں کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہا ہے۔ "حزب التحریر" نے تو خلافت کا ایک ماڈل دستور پوری جزئیات سمیت باقاعدہ مرتب بھی کیا ہے جس کے بڑے حصے کا ترجمہ کچھ عرصہ پہلے "ندائے خلافت" میں شائع بھی ہوا تھا۔ آئین خلافت پر حزب التحریر نے محنت تو بہت کی ہے لیکن بالخصوص خلیفہ کے منصب اور اس کی مدت تقرری سے متعلق دفعات آج قابل عمل نظر نہیں آتیں کیونکہ وہ خلیفتہ المسلمین کو تاحیات خلافت کے منصب پر برقرار رکھنا چاہتے ہیں الا یہ کہ وہ جسمانی یا ذہنی اعتبار سے معذور ہو جائے۔

نظام خلافت کے لئے رہنمائی کا سب سے زیادہ قابل اعتماد ذریعہ خلافت راشدہ کا دور ہے لہٰذا ظاہر ہے کہ خلیفہ المسلمین کی اہلیت کا معیار قائم کرنے کے لئے نظر بے ساختہ وہیں جاکر ٹھہرتی ہے۔ اس بابرکت زمانے اور آج کے دور میں ایک نمایاں فرق یہ سامنے آتا ہے کہ اصحابؓ نبیؐ کے درجات اور اہلیت کا تعین سابقون الاولون "عشرہ مبشرہ" بدری صحابہؓ اور شرکائے بیعت رضوان جیسی مختلف درجہ بندیوں کی صورت میں دور نبویؐ میں ہی ہو چکا تھا چنانچہ امت کو اہلیت کا معیار وضع کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی جبکہ آج یہ صورت نہیں ہے۔ آج ہمیں اہلیت کے لئے ایک معیار مقرر کرنا ہوگا تاکہ منصب نااہل ہاتھوں میں نہ جاسکے۔

یہی جواز خلیفہ کی مدت تقرری کے تعین کے لئے بھی بنتا ہے۔ چونکہ آج کے دور میں صحابہ کرام کی طرح درجات و مراتب کا تعین ممکن نہیں ہے اور تقویٰ کی کیفیت کا علم صرف اللہ کو ہے لہٰذا محض اس گمان کے تحت کہ فلاں شخص انتہائی متقی محسوس ہوتا ہے' اس کو تاحیات خلیفہ کا منصب دے دیا جائے تو یہ خیال امت کے لئے بدترین نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ بہترین راستہ موجودہ صورت حال میں یہی ہے کہ خلیفہ کے عہدہ کے لئے ایک مخصوص دورانیہ مقرر کردیا جائے تاکہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں کامیابی کا امکان موجود رہے۔ البتہ اس میں یہ شق رکھی جاسکتی ہے کہ دوبارہ یا سہ بارہ تقرری پر کوئی پابندی نہ ہو۔ یعنی اگر ایک شخص پر امت اس حد تک اعتماد کرتی ہے اور اس کی کارکردگی سابقہ مدت میں اتنی بہتر رہی ہے کہ امت اس کو دوبارہ امیرالمومنین کے منصب پر دیکھنا چاہتی ہے تو اس پر کوئی قانونی قدغن نہ ہو۔

مروجہ نظام ہائے سیاست کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اسلام کا یہ نظام خلافت جمہوری صدارتی نظام سے بہت مشابہ ہے۔ صدارتی نظام میں بھی ایک احتسابی مشاورتی کونسل یعنی سینیٹ ہوتی ہے۔ یہی حیثیت نظام خلافت میں مجلس شوریٰ کو حاصل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ مجلس شوریٰ صدر یعنی خلیفہ کے ہر قدم کو قرآن و سنت اور مصلحت امت کی کسوٹی پر پرکھتی ہے جبکہ صدارتی نظام میں قرآن کے سپریم لاء ہونے کا ذکر نہیں ہوتا۔ گویا فرق کسوٹی میں ہے' طریقہ کار میں نہیں ہے۔

دوسری مشابہت کا ذکر پہلے ہو چکا ہے' یعنی صدر کی طرح خلیفہ کا ایک مقررہ مدت کے بعد اختیار ختم ہو جانا۔ البتہ اس میں یہ تعین کردیا جائے گا کہ دوبارہ سہ بارہ منتخب ہونے پر کوئی قدغن نہیں ہے جبکہ امریکہ میں بھی ایک شخص تیسری بار صدارت کا امیدوار نہیں ہو سکتا۔

تیسری مشابہت اختیارات کی ہے۔ صدر کی طرح خلیفہ کی بھی اپنے نائبین اور کابینہ کے عہدیدار منتخب کرنے کا حق حاصل ہے۔ البتہ صدارتی نظام کی طرح اس میں بھی خلیفہ پر یہ پابندی نہیں ہونی چاہئے کہ یہ تقرریاں وہ صرف مجلس شوریٰ یعنی ایوان کے منتخب نمائندوں میں سے ہی کرے۔ اس کو یہ حق ہوگا کہ وہ امت میں سے جس کو بہتر سمجھے اس کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتا ہو بشرطیکہ وہ شخص مطلوبہ اہلیت پر پورا اترتا ہو اور یہ اہلیت قابلیت کی بنیاد پر ہوگی نہ کہ مقبولیت کی بناء پر۔

صدارتی نظام سے نظام خلافت کی اہم ترین مشابہت تمام شہریوں کی طرف سے صدر یا خلیفہ کا براہ راست انتخاب ہے۔ یہاں بھی فرق صرف اہلیت کے تعین کا رہتا ہے۔ طریقہ کار میں فرق و تفاوت کی ضرورت دکھائی نہیں دیتی کیونکہ بیعت عامہ کا متبادل دور حاضر میں مروجہ عام انتخابات ہی ہو سکتے ہیں۔ جس طرح دور خلافت میں پوری امت کی سطح پر خلیفہ کی اطاعت منظور کی جاتی تھی' براہ راست انتخاب میں بھی بالکل یہی فلسفہ پوشیدہ ہے کہ صدر کے تقرر و تعین کا فیصلہ براہ راست شہریوں کے عمومی اختیار میں ہو اور اس میں کسی ایک طبقہ کو خصوصی امتیاز سے نہ نوازا جائے۔ نظام خلافت میں بھی خلیفہ کے منصب کے لئے امیدواروں کی نامزدگی یا کاغذات نامزدگی کی منظوری بے شک مرکزی مشاورتی کونسل کی طرف سے ہو مگر اس کے انتخاب کا انحصار تمام مسلمانوں کے ووٹ پر ہونا چاہئے یعنی نامزد کردہ امیدواروں میں سے جس کو بھی امت امیرالمومنین کی حیثیت میں قبول کرنا چاہے' اس کی تائید میں ووٹ کا حق استعمال کرلے۔ یوں اکثریتی ووٹ حاصل کرنے والے فرد کو یہ عہدہ سونپ دیا جائے گا اور فرق صرف یہ ہوگا کہ اس عہدہ کے لئے صرف وہی شخص امیدوار ہو سکے گا جو اہلیت یعنی تشخص' فہم اور تقویٰ کے معیار پر پورا اترے۔ ○○

نیو ورلڈ آرڈر

صابر معراج

بیسویں صدی میں دنیا میں جس تیزی سے سیاسی و جغرافیائی حالات میں تبدیلی رونما ہوئی اور عالمی قوتوں کو جس عروج و زوال کا سامنا کرنا پڑا اس سے بڑی طاقتوں کو خاصی پریشانی کا سامنا رہا ہے۔ بالخصوص دوسری عالمی جنگ کے بعد سپرپاورز کو دنیا پر اپنا تسلط برقرار رکھنے میں جو مشکلات پیش آئی ہیں ان سے واضح ہوگیا ہے کہ دنیا پر ان کی اجارہ داری بتدریج کم ہو رہی ہے اور چھوٹی طاقتیں ان کے شکنجے سے آزادی حاصل کر رہی ہیں۔

دوسری عالمی جنگ میں تین بڑوں یعنی برطانیہ' امریکہ اور روس نے متحد ہو کر جرمنی کو شکست سے دوچار کیا لیکن اس جنگ نے اس دور کی ایک بین الاقوامی طاقت برطانیہ پر ضرب کاری لگائی جس کے نتیجے میں اسے اپنی نو آبادیات کو آزادی دینا پڑی اور برصغیر کی آزادی بھی اسی جنگ کا نتیجہ تھی۔ امریکہ کو ویت نام میں طویل جنگ کے نتیجے میں وہاں سے دم دبا کر بھاگنا پڑا اور روس افغانستان پر تسلط قائم کرنے کا خواب دیکھتے دیکھتے خود ہی ریزہ ریزہ ہو کر رہ گیا ہے۔ سوویت روس کی شکست و ریخت کے بعد امریکہ دنیا میں واحد سپرپاور کی حیثیت سے ابھرا ہے اور اس وقت وہ کامیابی و کامرانی کے نشے میں مست ہے۔ اسے اس بات کا یقین ہے کہ اقتدار کی باگ ڈور واحد بین الاقوامی طاقت کی حیثیت سے وہ خود ہی بلا شرکت غیرے سنبھالے رکھے گا لیکن مستقبل شناسوں کا قیافہ ہے کہ امریکہ کے عالمی اقتدار کا سورج مستقبل قریب میں ہی غروب ہو جائے گا کیونکہ آج امریکہ کا داخلی انتشار شدت اختیار کر رہا ہے اور معاشی عدم استحکام میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

خارجی محاذ پر بھی امریکہ کو اس وقت قدم قدم پر مشکلات کا سامنا ہے کیونکہ ایک طرف جرمنی' فرانس اور برطانیہ یورپ میں اس کے توسیع پسندانہ عزائم کو ناکام بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں تو دوسری طرف مشرق بعید میں چین اور جاپان بھی اس کے توسیع پسندانہ عزائم میں رکاوٹ ہیں۔ امریکہ میں مار دھاڑ کا کلچر پرورش پا رہا ہے اور اصولوں کی پاسداری آہستہ آہستہ کم ہو رہی ہے۔ اس وقت اس کا مطمع نظر مطلب براری اور طالع آزمائی ہے۔ طاقتور طاقتوں سے سازباز کرنا اور کمزور قوتوں کا گلا گھونٹنا اس کا مقصد اولین ہے۔ اگر ذرا وسعت نظر سے دیکھا جائے تو امریکہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ یورپی ممالک سے گٹھ جوڑ کر کے کمزور قوتوں اور خاص طور پر اسلامی ممالک کو عضو معطل بنا کر رکھ دیا جائے اور پھر ان کے قدرتی وسائل پر وہ خود قابض ہو جائے۔ اپنے ان مذموم مقاصد میں کامیابی کے لئے وہ "نیو ورلڈ آرڈر" کو دنیا پر مسلط کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ اس ورلڈ آرڈر کی اصل حقیقت کیا ہے' آیئے ذرا سمجھنے کی کوشش کریں۔

نیو ورلڈ آرڈر کا ایک بنیادی نقطہ یہ ہے کہ دفاعی اور فوجی قوت بڑھانے کے لئے اقوام متحدہ کی اور بالفاظ دیگر امریکہ کی رضامندی ضروری ہے۔ اس سے امریکہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ جس ملک کو چاہے براہ راست یا اپنے کٹھ پتلی ادارے اقوام متحدہ کے ذریعے دفاعی ضروریات میں کمی کرنے پر مجبور کردے۔ چنانچہ پرسلر ترمیم کے بعد پاکستان کے لئے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ اپنی دفاعی ضروریات کے لئے ہتھیار لینے سے پہلے امریکی صدر کی منظوری حاصل کرے جبکہ ہمارے ہمسایہ ملک بھارت کے لئے ایسی کوئی شرط نہیں۔ اس سے امریکہ کا یہ منشاء بہت کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ وہ اپنے منظور نظر ممالک کو تخفیف اسلحہ کی آڑ میں منی سپرپاورز کی حیثیت میں بدلنا چاہتا ہے تاکہ ان سے حسب ضرورت علاقائی داروغہ کا کام لیا جاسکے۔

نیو ورلڈ آرڈر کا دوسرا اہم نقطہ یہ ہے کہ تجارت کی بین الاقوامی مارکیٹوں' مراکز اور کالونیوں پر کسی کا تسلط نہیں ہونا چاہئے بلکہ ان میں ہر ایک کو آنے جانے کی اجازت ہونی چاہئے اور اس میں بھی فیصلہ کن حیثیت اقوام کی بین الاقوامی مرضی کو حاصل ہو۔ اس سے امریکہ تجارت پر کنٹرول حاصل کرنے کا خواہش مند نظر آتا ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ اس سلسلے کے فیصلے بین الاقوامی سطح پر ہوں تاکہ تجارت کی منڈیوں کا کنٹرول بین الاقوامی طاقتوں یعنی امریکہ کے ہاتھ میں چلا جائے کیونکہ وہی اب واحد عالمی سپرپاور ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر کا تیسرا اہم نقطہ یہ ہے کہ کسی بھی ملک میں سیاسی دائرہ کار سے متعلق کوئی تبدیلی باضابطہ اور سیاسی طریقوں یعنی جمہوری انداز سے ہٹ کر نہ لائی جائے۔ اس سے اپنے تئیں امریکہ کی مراد بظاہر یہ ہے کہ ملکوں میں جمہوری اقدار کو فروغ دیا جائے لیکن اصل مقصد یہ کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں آزادی کی تحریکیں قوموں کو آزادی دلا رہی ہیں اور نئے نئے ملک وجود میں آرہے ہیں لیکن ان میں بھی سیاسی و جغرافیائی تبدیلیاں بین الاقوامی برادری کی مرضی کے بغیر نہ ہوں تاکہ ایسی آزادی کی تحریکوں کو دبایا جاسکے' جو مغربی نظریات سے متصادم کوئی نظریہ حیات لیکر کھڑی ہوں۔ اس صورت حال میں آج عالم اسلام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا ہے۔ مسلمانوں کو احساس ہی نہیں کہ ان کے ساتھ کیسا بے رحمانہ سلوک کیا جا رہا ہے اور ان کی بربادی کے مشورے کہاں کہاں ہو رہے ہیں۔ جبکہ اسلام دشمن ممالک' بھارت' اسرائیل' امریکہ اور متعدد دیگر غیر مسلم ممالک میں ایسے ادارے موجود ہیں جو دنیا کے حالات وواقعات پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ اسرائیل نے تو امریکہ میں اپنی ایک مضبوط اور مستقل لابی قائم کر رکھی ہے جو ہمیشہ امریکی حکومت' ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف جیسے اداروں میں اپنے پنجے گاڑ کر رکھتی ہے لیکن عالم اسلام کے پاس ایسا بھی کوئی ادارہ نہیں جو سوچ و بچار ہی کرتا رہے یا رابطوں کا کام ہی انجام دے سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہنود و یہود مسلمانوں کے خلاف کوئی نہ کوئی چکر چلائے رکھتے ہیں جس کی ہمیں خبر بھی نہیں ہوتی۔

حالات و واقعات کے تجزیئے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عالمی برادری نے کسی بھی علاقے میں آج تک مسلمانوں کے کسی ایک مسئلہ کو بھی حل کرنے کی مخلصانہ کوشش نہیں کی بلکہ اس کے کسی ممکنہ حل میں نت نئے طریقوں سے رخنہ اندازی کر کے الٹا اسے پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنا کر چھوڑا ہے۔ فلسطین اور کشمیر کا معاملہ ہمارے سامنے ہے جبکہ افغانستان اور بوسنیا اس کی تازہ ترین مثالیں ہیں۔ حالات کو اس مخدوش حد تک پہنچانے میں امریکہ کے ذیلی ادارے اقوام متحدہ نے ہر موقع پر مسلمانوں کے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

خلافت راشدہ میں ملکی انتظامیہ کی تشکیل

انتظامی یونٹ چھوٹے رکھے گئے تھے

عمال کے انتخاب میں عمر فاروقؓ ہر ممکن احتیاط برتتے رہے

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کسی بھی نظام حکومت کو موثر طور پر چلانے کے لئے ریاست کے پورے علاقے کا چھوٹے انتظامی حصوں میں تقسیم کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ نظم و نسق کی ذمہ داریوں کو متعلقہ اہل کاروں میں اس طرح تقسیم کیا جا سکے کہ ہر شخص کے لئے اپنے فرائض کی بجاآوری کا کام قابل عمل رہے یعنی کسی بھی حصے کا رقبہ اس حد سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے جس کو دستیاب وسائل کے استعمال کے ذریعے انتظامیہ کے کنٹرول میں رکھنا ممکن ہو۔ عرف عام میں ایسے ہر حصہ کا نام صوبہ ہوتا ہے۔ گویا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی ریاست کے لئے تو لازم ہے کہ چھوٹے چھوٹے انتظامی صوبوں میں بٹی ہوئی ہو تاکہ ہر صوبے کا ایک ایک شخص ذمہ دار بنایا جا سکے' اس سے باز پرس ممکن ہو اور شہریوں کی ان تک پہنچ بھی آسان ہو۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب صوبہ کا رقبہ اس قدر زیادہ نہ ہو کہ اس پر نگاہ رکھنا انسانی استطاعت سے ہی باہر ہو جائے۔

یہی اصول ہمیں دور فاروقی میں کارفرما نظر آتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں حضرت عمر فاروقؓ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس تصور کو عملی شکل دی اور اس دور کے ذرائع رسل و رسائل کی استطاعت کی مناسبت سے اور اسلامی مملکت کی وسعت کو علاقائی موزونیت کے اعتبار سے صوبوں' ضلعوں اور پرگنوں میں تقسیم کیا۔ تمام مورخین نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے مفتوحہ علاقوں کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا۔ آپؓ کے مقررہ صوبے یہ تھے (۱) مکہ (۲) مدینہ (۳) شام (۴) بصرہ (۵) کوفہ (۶) مصر (۷) فلسطین (۸) جزیرہ۔ مورخ یعقوبی نے آٹھ کی بجائے سات صوبے لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمرؓ نے ۲۰ھ میں کیا تھا۔

یہاں ایک ضمنی وضاحت ناگزیر ہے۔ دور فاروقی میں اسلامی فتوحات کو جو وسعت نصیب ہوئی اسے تو ظاہر ہے کہ آٹھ صوبوں میں سمو دینا ممکن نہ تھا اور امر واقعہ یہ ہے کہ فارس' خوزستان اور کرمان وغیرہ بھی درحقیقت صوبوں کی شکل میں ہی تھے اور ان کا شمار متذکرہ بالا آٹھ صوبوں میں نہیں۔ جدید مورخین کے اختلاف یا اشکال کی وجہ یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے وہ پہلے سے بھی تو آخر کسی نہ کسی شکل میں انتظامی طور پر منقسم تھے۔ اب جہاں جہاں حضرت عمر فاروقؓ نے اس تقسیم کو برقرار رکھا' وہاں تو قدیم مورخین نے اس کا ذکر نہ کیا اور صرف ان صوبوں کا ذکر ضروری سمجھا جو حضرت عمرؓ نے خود قائم کئے اور وہ یہی آٹھ تھے۔

یہاں یہ بھی سمجھنا لازم ہے کہ یہ امر بھی گمان اور امکان کے درجے میں آتا ہے ورنہ تاریخی تصریحات سے یہ بھی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ملکوں کی سابقہ تقسیم میں بھی حسب ضرورت و مصلحت تبدیلیاں کیں تھیں۔ مثال کے طور پر فلسطین پہلے ایک صوبہ تھا' اس صوبے میں دس اضلاع شامل تھے مگر ۱۵ھ میں جب حضرت عمرؓ نے خود فلسطین جا کر معاہدہ امن لکھا تو اس علاقے کو دو صوبوں میں منقسم کر دیا۔ ایک کا صدر مقام ایلیا (یعنی یوروشلم) اور دوسرے کا رملہ (جس نام کا شہر آج بھی موجود ہے) قرار دیا اور علقمہ بن حکیم اور علقمہ بن مجزز کو ان دونوں حصوں پر عامل مقرر فرمایا۔ (بحوالہ تاریخ طبری صفحہ ۲۴۵۳' ۲۴۵۷)

اسی طرح مصر کی مثال بھی ہے۔ گو کہ تاریخ میں یہ مذکور نہیں کہ فتح سے پہلے اس کی انتظامی تقسیم کیا تھی اور کوئی موجود تھی بھی یا نہیں تاہم یہ بہرطور مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کو دو صوبوں میں تقسیم کیا' بالائی حصہ جس کا عربی نام صعید ہے' ۲۸ اضلاع پر مشتمل تھا اور حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح وہاں کے حاکم مقرر ہوئے۔ اسی طرح زیریں حصہ میں پندرہ اضلاع شامل تھے۔ دونوں صوبوں پر عمرو بن العاصؓ کی حیثیت وائسرائے' سپریم کمانڈر یا گورنر جنرل کی سی تھی۔

ایران کی فتح کے بعد چونکہ حضرت عمر فاروقؓ نے وہی علاقائی تقسیم برقرار رہنے دی تھی جو پرویزی حکومت کے دور سے چلی آ رہی تھیں لہٰذا یہاں ان کا ذکر ہی کافی ہے مورخ یعقوبی کہتا ہے کہ سلطنت ایران کا ایک حصہ عراق تھا جبکہ دیگر علاقوں کو تین صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا' خراسان' آذر بائیجان اور فارس۔ خراسان کے صوبے میں نیشاپور' ہرات' مرو' مرورود' فاریاب' طالقان' بلخ' بخارا' باذغیس' باورد' غرشستان' طوس' سرخس' جرجان کے اضلاع شامل تھے جبکہ صوبہ آذربائیجان میں طبرستان۔ رے قزوین - زنجان۔ قم۔ اصفہان۔ ہمدان۔ نہاوند۔ دینور۔ حلوان۔ ماسندان۔ مہرجان۔ قذق۔ شہرزور۔ سامغان اور آذرسجان کے اضلاع تھے اور فارس کا صوبہ اصطخر۔ شیراز۔ نوبندجان۔ جور' گاذرون فسا۔ دارا بجرد۔ اردشیرخرہ۔ سابور۔ اہواز۔ جندیسابور۔ سوس۔ نہرتیری۔ تستر۔ ایذج۔ رام ہرمز۔ منادر (موجودہ بلوچستان میں مکران کا علاقہ اور ساحل) کے اضلاع پر مشتمل تھا۔ (بحوالہ تاریخ یعقوبی جلد اول صفحہ ۲۰۱' ۲۰۲)

صوبائی انتظامیہ میں مناصب کی تفصیل یوں

تھی کہ حاکم صوبہ والی کہلاتا تھا' میر منشی (اکاؤنٹنٹ جنرل) کاتب اور دفتر فوج کا میر منشی (جی ایچ کیو اکاؤنٹس کا سربراہ) کاتب دیوان کہلاتا تھا۔ صاحب الخراج (کلکٹر ریونیو) کا نام تھا۔ افسر پولیس کے عہدے کو احداث کا نام دیا گیا تھا۔ افسر خزانہ صاحب بیت المال ہوتا تھا۔ اور چیف جسٹس قاضی کہلاتا تھا۔ چنانچہ کوفہ میں عمارؓ بن یاسرؓ والی تھے جبکہ عثمان بنؓ حنیف کلکٹر' عبداللہ بن مسعودؓ افسر خزانہ' شریحؒ قاضی اور عبداللہ بن خلفؓ الخزاعی کاتب دیوان تھے۔ (بحوالہ تاریخ طبری ۲۶۴۷ و ابن خلکان صفحہ ۲۵۳)۔

ہر صوبے میں ظاہر ہے کہ مسلح افواج کی کمانداری کی ذمہ داری بھی کسی پر ڈالی جاتی تھی۔ عموماً یہ ذمہ داری خود والی کے ہی سپرد رہتی تھی۔ ایسی ہی کیفیت پولیس کی بھی تھی۔ (یاد رہے کہ معاشرتی اخلاقی اقدار اور جرائم کی عدم موجودگی میں پولیس کا کردار نہ ہونے کے برابر تھا) چنانچہ یہ ذمہ داری بھی اکثر والی ہی اٹھا لیتا تھا۔ مثلاً عمار بن یاسرؓ جب کوفہ میں والی تھے تو پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا۔ بحرین میں قدامتہ بنؓ مظعون گو کہ صاحب الخراج تھے تاہم پولیس کی ذمہ داری بھی اٹھائے ہوئے تھے۔

والی کی نیابت کرنے کے لئے وسیع اور مستقل سٹاف کی تقرری کی جاتی تھی جس کے ممبر مرکزی حکومت یعنی دربار خلافت سے بھرتی کر کے روانہ کئے جاتے تھے۔ عمارؓ کو جب کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو دس معزز آدمی ان کے سٹاف میں دیئے گئے جن میں سے ایک قرظ خزرجی بھی تھے۔ (بحوالہ اسد الغابہ تذکرہ قرظ)

میر منشی کے لئے معیار اہلیت فصاحت و بلاغت تھا۔ اسی بنا پر اس کا انتخاب ہوتا اور مجلس شوریٰ اسی تناظر میں سب سے بہتر آدمی کا تعین کرتی تھی۔ اس کی مثال بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعریؓ کے میر منشی زیاد بن سمیہ کی ہے جس کی فصاحت و بلاغت نے خود حضرت عمر فاروقؓ کو حیران کر دیا تھا۔

اضلاع کی انتظامیہ بھی اسی طرح کے مناصب پر مشتمل ہوتی تھی' یعنی عامل' افسر خزانہ اور قاضی وغیرہ۔ یہ سب عہدیدار براہ راست صوبائی گورنر کے ماتحت ہوتے اور اسی کو جوابدہ ہوتے تھے۔ پرگنوں کی ذمہ داری تحصیلداروں پر تھی جو ضلعی انتظامیہ کی زیر نگرانی ہوتے تھے۔ ان تحصیلوں کے انتظام و انصرام کے لئے بھی تحصیلداروں کی نیابت کے لئے حسب ضرورت عملہ کی تقرری کی جاتی تھی۔

کسی سلطنت کے استحکام و ترقی کے لئے بے عیب انتظامی تقسیم کے ساتھ ساتھ نہایت اہم جزو یہ ہے کہ اس تقسیم سے کماحقہ استفادہ کے لئے عہدیداران کے انتخاب' تقرری اور کاروائی و کارکردگی کا لائحہ عمل قانونی شکل میں متعین ہو۔ آج اسی کی ترقی یافتہ شکل کو ریاست کا آئین کہا جاتا ہے تاہم ذمہ داران مملکت کی تقرری کے لئے متعدد جمہوری طریقے استعمال ہونے کی مثالیں دور فاروقی سے ملتی ہیں۔ حضرت عثمان بن حنیفؓ کا تقرر اس طرح ہوا تھا کہ ان کا انتخاب مجلس شوریٰ نے کیا اور تقرری پر مہر تصدیق ثبت کی تھی جبکہ عثمان بن فرقد' محسن بن یزید اور حجاج بن علاط کا انتخاب اس طرح ہوا تھا کہ فرمان فاروقی کے مطابق ان تینوں اصحاب کو ان کے اپنے اپنے علاقوں کے عوام نے منتخب کر کے مجلس شوریٰ کے متعلقہ عہدوں پر تقرری کی منظوری دی تھی جس کی تفصیل قارئین سابقہ شمارے میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

عامل مقرر ہونے والے شخص کو ایک تفصیلی فرمان عطا ہوتا تھا جس میں اس کی تقرری' اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔ اس فرمان پر بہت سے انصار و مہاجرین مجلس شوریٰ کے دستخط ہوتے تھے۔ (بحوالہ طبری صفحہ ۲۴۷۷)۔ تذکرہ حذیفہ بن الیمان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے جس کے الفاظ یوں ہیں:

"حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جب کسی عامل کا تقرر کرتے تو فرمان جاری کرتے تھے کہ میں نے فلاں کو مقرر کیا ہے اور اسے فلاں فلاں کاموں کا حکم دیا ہے' پس جب وہ اپنے مقررہ مقام پر پہنچتا تو وہاں کے ذمہ دار لوگ اور متعلقہ ماتحت عملہ اس کا استقبال کرتا اور جب فرمان تقرری باآواز بلند پڑھ لیا جاتا تو یہ اپنا عہدہ سنبھالتا۔"

بقیہ: پریس ریلیز

انہوں نے کہا کہ سب بڑے فریقوں کو دو معاملات پر ابھی سے مفاہمت کر لینی چاہئے جن میں سے ایک آٹھویں ترمیم کے تحت صدر کے وہ صوابدیدی اختیارات ہیں جنہوں نے صدر اور وزیراعظم کی حیثیت میں عدم توازن پیدا کر دیا ہے اور دوسرا جماعتی وفاداریاں بدلنے والے ارکان اسمبلی کے خلاف قانون سازی ہے جس کی ضرورت ان دنوں پہلے سے زیادہ محسوس کی گئی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ انتخابات کے لئے وجود میں آنے والے ہر اتحاد کو بھی ایک سیاسی جماعت قرار دیا جائے اور اتحاد سے الگ ہونے والے گروہوں پر بھی فلور کراسنگ کا وہی قانون موثر ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے مذہبی و دینی سیاسی جماعتوں کے باہم مذاکرات پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ آج کی خبریں کل کے مقابلے میں مایوس کن ہیں تاہم اگر وہ پہلے کی طرح جاگیرداروں زمینداروں اور سرمایہ داروں پر مشتمل بڑے سیاسی دھڑوں کے ضمیمے بننے کے بجائے یکجا ہو جائیں اور منظم و متحد رہیں تو ہم ان کی تائید کریں گے اور اگرچہ اس ذریعے سے اسلام کے لئے کوئی بڑا کام تو نہیں ہو سکے گا تاہم یہ ضرور ہو گا کہ اسلام بدنام نہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ اصل جے یو آئی یعنی فضل الرحمٰن گروپ' اصل جے یو پی یعنی نورانی گروپ' جماعت اسلامی اور جمعیت اہلحدیث ساجد میر گروپ اگر ایک اتحاد میں منسلک ہو جائیں تو پھر انہیں یہ بھی کرنا ہو گا کہ محض اسلام کے نعرے سے کام نہ چلائیں بلکہ واضح طور پر بتائیں کہ ان کے نزدیک معاشرت اور معیشت کے درپیش مسائل میں اسلام کی متعین رہنمائی کیا ہے اور اس پر عملدرآمد کی کیا صورت ہو گی۔ مثلاً زرعی اصلاحات کا نام لے دینا کافی نہیں ہو گا بلکہ انہیں بتانا ہو گا کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی رو سے جب وہ کسی کی ملکیت میں سے ایک حبہ بھی ضبط کرنے کا حق نہیں رکھتے تو اراضی کی حد ملکیت کیسے مقرر کریں گے۔ انہیں وضاحت کرنی ہو گی کہ مضاربہ' مارک اپ اور مزارعت کی موجودہ شکلیں اسلام کے مطابق ہیں یا نہیں اور یہ کہ کیا مسئلے کا واحد حل یہی نہیں کہ حضرت عمرؓ کے اجتہاد کی روشنی میں بالکل نیا بندوبست اراضی کیا جائے اور الیات کے شعبے سے ہر اس مشکوک چیز کو نکال باہر کیا جائے جس میں ربا کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ جی یو پی نیازی گروپ کے رہنما جیسے قابل احترام علماء کے لئے موجودہ حالات میں بہترین لائحہ عمل یہ ہے کہ ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجدیں بنانے کی بجائے وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ آخر ان کے بزرگ اکابر علمائے کرام نے تحریک پاکستان کے مرحلے میں اپنا وزن مسلم لیگ ہی کے پلڑے میں تو ڈالا تھا۔ ●●

بقیہ: امریکی مفادات

کے بجٹ کی سطح تک واپس لے جانا جس کی واضح مثال حالیہ بجٹ ۹۴-۹۳ء ہے جس میں بظاہر تقریباً ۵۷ء۱ فی صد اضافہ دکھایا گیا ہے مگر دراصل وہ پچھلے بجٹ کی نسبت تقریباً پندرہ فی صد کم ہے کیونکہ افراط زر میں پندرہ تا سولہ فی صد اضافہ اس ملک کے لئے معمولی بات ہے۔ یعنی آسان ترین الفاظ میں یوں کہا جائے گا کہ جو جہاز پہلے دس کروڑ کا آتا تھا اس کے لئے اب تقریباً ساڑھے گیارہ کروڑ کی ادائیگی کرنا ہو گی' امریکہ اور یورپین ممالک اپنے مال کی قیمت میں جو اضافہ کرتے رہتے ہیں وہ اس پر مستزاد!۔

حال ہی میں ملٹری انٹیلی جنس جیسے حساس ادارے کی اوپری سطح میں تبدیلیاں بھی اسی کا مظہر تھیں اور یہی نہیں بلکہ افغانستان میں دنیا بھر سے خالص اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے کی نسبت سے آنے والے عرب مسلمانوں کو نہ صرف حکمت یار کی مدد سے روک دیا گیا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ان کی باقاعدہ پکڑ دھکڑ بھی شروع ہو چکی ہے اور جو مجاہدین کچھ عرصہ قبل امریکہ اور ان کے حواریوں کی آنکھ کا تارہ تھے' اب دہشت گرد قرار دیئے جا رہے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ میاں صاحب اگر دوبارہ اقتدار میں آگئے تو صنعتکاری کا کہاں تک دفاع کر سکیں گے جبکہ امریکہ ہی کے اشارے پر اسمبلیاں توڑ کر میاں صاحب کو یہ باور کروا دیا گیا ہے کہ ہم جب چاہیں تمہیں ہٹا بھی سکتے ہیں اور یہ کہ تم چین سے حکومت کر ہی نہیں سکتے جب تک ہمیں خوش نہ رکھو۔○○

بقیہ: نیو ورلڈ آرڈر

دشمنوں کا ساتھ دیا ہے۔ اس ادارے کے ذریعے امت مسلمہ کی فلاح کا کوئی نیک کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ عراق اور کویت کے تنازعے کو جس طرح اقوام متحدہ سے حل کر دیا گیا وہ اس ادارے کی بدنیتی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ عراق مسلمان تھا' اگر کویت پر کسی غیر مسلم قوت نے جارحیت کی ہوتی تو پھر دیکھتے کہ کارروائی کیا اسی سرعت سے ہوتی ہے اور پھر یہ کہ عراقی جارحیت تو امریکہ کو فوری طور پر نظر آگئی لیکن کشمیر میں تقریباً نصف صدی سے ہونے والی بھارتی دہشت گردی دکھائی نہیں دیتی اور فلسطین کے مسئلے پر یہ طوطا چشمی کیسی ہے؟ بوسنیا میں ہونے والے مظالم پر اس کی آنکھیں کیوں بند ہیں اور آج افغانستان کے امن کو تہہ و بالا کرنے کے پس پردہ کون سی قوت کارفرما ہے؟

بقیہ: گاہے گاہے باز خواں----

جو کارروائیاں کی گئیں ہیں جن کو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے ان کو معلوم کر کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر بالخصوص ارمنی ڈاکٹران پر رکھے جاتے تھے جن کو ایک تو پہلے سے ترکوں سے سخت دشمنی تھی ہی اور پھر بھڑکائے جاتے تھے

ان کی ہر طرح امداد کی جاتی تھی۔ پھر کچھ نہ پوچھئے کہ انہوں نے ترکی بے زبان سیدھے سادھے مسلمان سپاہیوں پر کیا کیا مظالم ڈھائے ہیں۔ میں جب خیال بھی کرتا ہوں تو خداوند جل و علا کے حلم اور استغناء پر تعجب ہوتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں زمین نہیں پھٹ جاتی' آسمان نہیں ٹوٹ پڑتا۔ یہ قطعہ یورپ کا کس طرح زمین پر قائم ہے' یہ ظالم درندے کب تک خداوندی ڈھیل میں سر چڑھتے رہیں گے اور کب تک مخلوقات خداوندی کا خون ان کی تیز و سخت کچلیوں کا شکار بنتا رہے گا۔ اے اللہ اپنے کمزور بندوں کا حامی اور مددگار بن' اے پروردگار اپنے سچے دین اور حقیقی مذہب کی خبرگیری کر۔ اے خدا ہماری اصلاح فرما اور ہمارے دشمنوں کا نام و نشان روئے زمین سے اسی طرح مٹا دے جس طرح تو نے فرعون ہامان قارون نمرود و شداد کا نام و نشان گم کر دیا۔ آمین' یارب العالمین۔

میں نے مسٹر برن سے ہندوستان کے سیاسی ابراء کا حال بھی ذکر کیا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ ان کی دو دو سو اور تین تین سو ماہوار سے خبرگیری کرتی ہے۔ اس نے اقرار کیا مگر بڑی مقداروں کا انکار کیا۔ اس نے مولانا مرحوم سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ اپنے اہل و عیال کی طرف سے فکر نہ فرمائیں' حکیم عبدالرزاق صاحب ان کو پچاس روپے ماہوار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہایت شرم کی بات انگریزی گورنمنٹ کے لئے تھی۔ قانوناً یہ فریضہ گورنمنٹ کا تھا' چنانچہ حکومت مصریہ ترکیہ وغیرہ نے اس قاعدہ کی مراعات رکھی تھی۔ ہمارے بیانات اس نے لکھے اور کہا کہ میں ان کاغذات کو پارلیمنٹ میں پیش کروں گا میں کچھ صورت آپ لوگوں کے لئے نہیں کر سکتا' پھر مولوی عزیر گل صاحب کا بھی بیان لیا اور ان سے سرحدی اخبار وغیرہ پوچھیں' مگر انہوں نے حسب عادت سختی ہی سے جواب دیا۔ اس نے جہاد کی نسبت بھی ان سے پوچھا' انہوں نے جواب دیا کہ آپ مجھ کو مسلمان سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اس نے کہا کہ ہاں' کہا کہ پھر آپ کا کیا خیال ہے کہ کوئی شخص بغیر قرآن کی تصدیق کئے ہوئے اور اس کے تمام حصوں کو مانے ہوئے مسلمان ہو سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں' انہوں نے کہا کہ پھر اس کے کیا معنی کہ آپ مجھ سے ایسی بات پوچھ رہے ہیں جس کو آپ خود جانتے ہیں کہ قرآن میں مذکور ہے۔ اسی طرح کی بہت سی باتیں ہوئیں۔ ●●

اسلامی انقلاب کے مراحل' مدارج اور لوازم پر مشتمل

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دس خطبات کا مجموعہ

منہج انقلاب نبوی

سیرت النبیؐ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے رہنما خطوط

صفحات ۳۸۴ ● قیمت: اشاعت خاص (مجلد) -/۶۰ ، اشاعت عام -/۳۰

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن

یہی لوگ چہرے بدل بدل کر سامنے آتے ہیں

محمد سمیع — کراچی

ایک دم ڈرائیور نے بریک لگائے۔ بس ایک دھچکے کے ساتھ رک گئی۔ باہر ایک شور بلند ہوا' ایک بدنصیب عورت بس کے پہئے تلے آگئی تھی۔ کراچی کی تیز دوڑتی زندگی میں ایسے واقعات تقریباً روز کا معمول بن چکے ہیں۔ فوری طور پر اس عورت کو ایک رکشہ میں ڈال کر ہسپتال روانہ کیا گیا۔ پتہ نہیں بے چاری بچی بھی ہے یا نہیں!

اسی روٹ کی پچھلی بس آتی دکھائی دی۔ پہلی بس کے مسافر اس بس کی جانب لپکے اور دیکھتے ہی دیکھتے بس اوور لوڈ ہو چکی تھی۔ "سب کو ٹکٹ لینا پڑے گا" کنڈکٹر نے ہانک لگائی۔ "لیکن بھئی ٹکٹ تو ہم اس بس میں لے چکے تھے" کسی نے احتجاج کیا۔ "تو پھر آپ ان سے پیسے واپس لیں۔" کنڈکٹر اپنی بات اڑا رہا۔

میں یہ سوچ رہا تھا کہ عام حالات میں اگر بس خراب ہو جائے اور نہ بھی خراب ہو' بس ڈرائیور اور کنڈکٹر صاحبان آگے جانے کے موڈ میں نہ ہوں تو وہ مسافروں کو پچھلی بس میں بٹھا کر اس کے کنڈکٹر سے کہہ دیتے ہیں کہ مسافروں سے دوبارہ ٹکٹ نہ لینا۔ پچھلی گاڑی والے بخوشی راضی ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ کنڈکٹر نہیں مان رہا اس لئے کہ اگلی بس کے ڈرائیور اور کنڈکٹر کی جان پر بنی ہوئی ہے اور مسافر بھی پیسے واپس لینے کا کوئی اخلاقی جواز اس حادثے کی وجہ سے نہیں رکھتے۔ مزید یہ کہ انہیں دفتر پہنچنے کی بھی جلدی ہے۔ گویا کہ صورت حال کی نزاکت سے یہ کنڈکٹر فائدہ اٹھا رہا ہے۔

ہمارے ملک میں جاری استحصالی نظام سے لوگ اس قدر مانوس ہو چکے ہیں کہ ایک کنڈکٹر بھی موقع ملتے ہی مسافروں کا استحصال شروع کردیتا ہے۔ حالانکہ وہ خود بس مالکان کے استحصال کا شکار ہے۔ آخر یہ سب کیوں ہے؟۔ لوگ اس استحصالی نظام کے خلاف کھڑے کیوں نہیں ہوتے؟۔ ہماری صورت حال اس شعر کے مصداق کیوں بن کر رہ گئی ہے کہ ؎

اتنے مانوس صیاد سے ہو گئے
اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کسی نے موجودہ نظام کے متبادل کوئی نظام لوگوں کو پیش نہیں کیا۔ ہمارا ملک جاگیرداروں' سرمایہ داروں' وڈیروں' سرداروں اور بیوروکریٹس کی شکار گاہ بن گیا ہے۔ موجودہ انتخابی نظام کے ذریعے یہی لوگ چہرے بدل بدل کر سامنے آتے ہیں اور لوگوں کا استحصال کرتے ہیں۔ ایسے میں صرف دینی عناصر سے ہی کچھ توقع کی جاتی تھی۔ انہیں اس نظام سے آشنائی تھی جسے اسلام کا نظام عدل اجتماعی کہتے ہیں لیکن افسوس کہ وہ بھی موجودہ نظام کا حصہ بن کر اقتدار کی کشمکش میں فریق بن گئے ہیں۔ پاکستان کی تقریباً نصف صدی کی تاریخ نے ثابت کر دیا ہے کہ نہ نو من تیل ہو گا نہ رادھا ناچے گی۔ نہ ان دینی عناصر کی تعداد موجودہ اسمبلیوں میں دوتہائی سے زیادہ ہو گی اور نہ وہ اس نظام کو تبدیل کر سکیں گے۔

ایسے میں ایک مرد قلندر ربع صدی سے صدا لگاتا چلا آ رہا ہے کہ اقتدار کی کشمکش میں شامل ہو کر نظام کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عمل تو ایک انقلاب کا متقاضی ہے جس کے لئے ایسے سرفروشوں کی ضرورت ہے جو اپنا تن من دھن سب اللہ کے دین پر نثار کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور مل جل کر ایک پریشر گروپ بنیں۔ معتدبہ تعداد فراہم ہو جانے کے بعد وہ باطل نظام سے ٹکرانے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن کون سنتا ہے فغان درویش۔

بہرحال تحریک خلافت پاکستان عوام میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا شعور بیدار کرنے کے لئے برپا کی گئی ہے تاکہ ان کے اندر اس نظام کو قائم کرنے کی تڑپ پیدا ہو۔ اب لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس تحریک میں شامل ہو کر اسلامی انقلاب کی جانب قدم اٹھائیں جس کے نتیجے میں وہ خلافت قائم ہو سکتی ہے جس میں خلافت راشدہ کی جھلک موجود ہو۔ اگر یہ نہ ہوا تو یہ استحصالی نظام ہم پر مسلط رہے گا اور لوگ اس کے ظلم کے تحت دبتے اور پستے رہیں گے۔ ○

مرد آہن

سن اے مرد آہن!
صنف نازک کے آگے
تری بے بسی پر
بہت رنج ہے
دل یہ کہتا ہے میرا
نہیں مرد تو
پر حقیقت یہی ہے
کہ تو مرد ہے
کیا نہیں جانتا
کیا ہے رتبہ ترا
جو خدا نے دیا!
پھر یہ کس درجہ پستی میں تو گر گیا
کیا نگہبان تجھ کو نہ ان کا کیا؟
کیا تری قوتوں کو نہ برتر کیا؟
زر کمانے میں تو'
بوجھ اٹھانے میں تو'
ملک کی حکمرانی ترے ہاتھ ہے
تو فضاؤں میں ہے
اور زمیں پر بھی تو
تو سمندر کی گہرائی میں غوطہ زن
ہے خلاؤں میں تو
اب گریباں میں اپنے نظر کر ذرا
کیا ترا حال ہے!
اور یہ عورت' یہ عورت' یہ کیا چیز ہے؟
ناتواں سی خدا کی یہ مخلوق ہے
یہ جو پسلی سے تیری نکالی گئی
اور تجھ ہی سے یہ نہ سنبھالی گئی
تو نے بے باک اس کو کیا اس قدر
یہ تو ملکہ تھی اپنے ہی گھر کی مگر
تو نے رسوا کیا ہے اسے کس قدر!
تو نے کھینچا حجاب اس کے چہرے سے کیوں؟
اس کے سر سے یہ چادر اتاری تو کیوں؟
غیر کی محفلوں سے کیا آشنا
اب ہے حیران کیوں!
نہ سمجھ خود کو مظلوم' ظالم ہے تو
تجھ کو عالم کہوں اب تو کیونکر کہوں
کہ جاہل ہے تو
تو جہل سے نکل کر اجالے میں آ
چل سنبھل کر ذرا
اب تو ٹھوکر نہ کھا

— عرفانہ جلال الدین اکبر

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

پریس ریلیز

الیکشن کسی بھی بہانے ملتوی نہ کیے جائیں: پولنگ ایک ہی دن کیوں نہیں

مذہبی و دینی سیاسی جماعتیں اگر متحد و منظّم ہو جائیں تو ہماری تائید انہیں حاصل ہو گی

انتخابی عمل سے اسلام کے لئے کوئی بڑا کام نہیں ہو گا لیکن اسلام اس حوالے سے بدنام تو نہ ہو!

لاہور - ۲۳ جولائی - تنظیم اسلامی کے امیر اور تحریک خلافت پاکستان کے داعی ڈاکٹر اسرار احمد نے غیر جانبدار حکومتوں کے زیر انتظام عام انتخابات کے اعلان کو پاکستان کی سلامتی کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اور مہلت قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ کے شکر و سپاس کے بعد اب سوباتوں کی ایک بات یہ ہے کہ انتخابی عمل میں کسی اصلاح کے نام پر یا احتساب کے بہانے اسے ایک دن کے لئے بھی ملتوی نہ کیا جائے۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جو اصلاحات مقررہ تاریخ کو آگے بڑھائے بغیر کی جا سکتی ہیں ضرور کی جائیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ان کی جماعت ملک میں اسلامی انقلاب اور نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد کر رہی ہے جس میں موجودہ انتخابی عمل سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا لیکن ملک کی آزادی اور وجود کی بقا کے لئے انہوں نے ہمیشہ مسلمہ اصولوں کے مطابق انتخابات کے تسلسل کی وکالت کی ہے جس کی بار بار تکرار بھی ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ دس گیارہ برسوں تک جمہوریت کے تعطل نے ملک کی سیاسی فضا میں گھٹن پیدا کر دی تھی۔

امیر تنظیم اسلامی نے حق نصیحت ادا کرتے ہوئے نگران حکومتوں اور سیاسی حلقوں کو مشورہ دیا کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے پولنگ ایک ہی تاریخ میں مکمل کی جانی چاہئے ورنہ کم از کم یہ انتظام تو ضرور کیا جائے کہ قومی اسمبلی کے لئے ووٹوں کی گنتی اور نتائج کا اعلان روک کر رکھا جائے تا آنکہ صوبائی اسمبلیوں کے لئے پولنگ بھی ہو جائے اور نتائج کا اعلان بیک وقت ہو۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے متناسب نمائندگی کے اصول کو فی الحال ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے کہا کہ سیاسی جماعتوں سے لوگوں کی وابستگی اور خود سیاسی جماعتوں کا داخلی استحکام ابھی اس پختگی کو نہیں پہنچا کہ اتنی بنیادی تبدیلی کی متحمل ہو سکے۔ انہوں نے شناختی کارڈ کی پابندی برقرار رکھنے پر زور دیا لیکن ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کیا کہ شناختی کارڈ بنانے کی مہم کو ہنگامی بنیادوں پر چلایا جائے تاکہ کوئی ووٹر اپنے حق کے استعمال سے محروم نہ رہنے پائے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہمارے آئین میں عوامی نمائندگی کے لئے سامنے آنے والے امیدواروں کی اہلیت کی جو شرائط درج ہیں انہیں فی الواقع معیار بھی بنایا جانا چاہئے اور اگر تفصیلی جانچ پڑتال زیادہ وقت کی طالب ہو تب بھی سرسری چھان بین کا اہتمام تو کیا ہی جا سکتا ہے۔ انتخابی مہم پر اخراجات کے ضمن میں انہوں نے زیادہ سے زیادہ سختی کے مظاہرے کو ضروری قرار دیتے ہوئے کپڑے کے بینروں اور ایسے اخباری اشتہارات پر پابندی کا مطالبہ کیا جو انتخابات میں حصہ لینے والی جماعتوں کی طرف سے نہ دیئے گئے ہوں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ سیاسی جماعتوں کو بھی ان اشتہارات کے ذریعے دوسروں کی کردار کشی کے بجائے اپنے منشور کے نکات پر روشنی ڈالنی چاہئے اور سکینڈلوں کو اچھالنے سے اجتناب کر کے تعمیر نو کے اپنے پروگرام کو عوام کے سامنے رکھنا چاہئے تاکہ بعد میں عوام کامیابی حاصل کرنے والوں کو ان کے وعدے یاد دلا سکیں۔

امیر تنظیم اسلامی نے امیدواروں کی بڑی بڑی تصاویر چوراہوں میں نصب کرنے کی مذمت کی اور کہا کہ یہ کام بہت مہنگا ہونے کے علاوہ ہمارے دین کے اعتبار سے حرام کاموں میں شامل ہے۔ انہوں نے کہا کہ رونا تو مذہبی جماعتوں پر آتا ہے جنہوں نے اس بری رسم کی پیروی کرتے ہوئے یہ بھی نہ سوچا کہ ہاتھ سے بنی ہوئی ان تصویروں کی گنجائش تو ہمارے دین میں اب تک کوئی بڑے سے بڑا ترقی پسند عالم دین بھی نہیں نکال سکا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ الیکشن میں حصہ لینے والی جماعتوں کے سربراہوں کو ٹیلی وژن پر قوم سے خطاب کرنے اور سوالوں کے جواب دینے کا موقع دیا جائے اور اس سلسلے میں پچھلے دو انتخابات کے نتائج سے وہ پیمانہ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے جس کے حساب سے مختلف رہنماؤں کو کم و بیش وقت دیا جائے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے انتخابی مہم میں شرافت اور شائستگی کا دامن تھامے رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے افسوس کا اظہار کیا کہ جارحیت کے ارتکاب کا آغاز نواز شریف صاحب کی طرف سے ہوا ہے اور کل مولانا نورانی کی گاڑی کو دیکھ کر آپے سے باہر بھی انہی کے حامی ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ آج اخبار میں نواز شریف صاحب یا مسلم لیگ کے کسی قابل ذکر رہنما کی طرف سے اس پر معذرت کی خبر آنی چاہئے تھی جو نہیں آئی۔ میاں نواز شریف کو مشورہ دیتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ انہیں آئی جے آئی کا نقاب اتار کر سیدھی طرح مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑنا چاہئے کیونکہ اس دفعہ فوج اور اس کے خفیہ اداروں کی طرف سے ویسا کوئی کردار متوقع نہیں جیسا پہلے آئی ایس آئی نے آئی جے آئی بنوا کر ادا کیا۔

(باقی صفحہ ۱۷ پر)